کلمۃ الحبیب

حرام خواہش

ابن نفیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰے

ہمارے ملک کی ایک مبغوض ومغضوب سیاسی پارٹی ’’پاکستان پیپلز پارٹی‘‘ ہمیشہ سے کوئی نہ کوئی نیا گُل کھلاتی رہتی ہے، جس کی وجہ سے اس کا بغض اسلام کھل کر سامنے آجاتا ہے، اسی لئے یہ پارٹی کسی نہ کسی شکل میں اللہ کے غضب شکار ہوجاتی ہے۔ کبھی اس کے بانی لیڈر کو پھانسی ہوجاتی ہے ،کبھی اس لیڈر کوئی بیٹا خودکشی کرلیتا ہے، اور کبھی کوئی بیٹا اپنی ہی بہن کے دورِحکومت میں سرعام پولیس کی گولیوں سے چھلنی کردیا جاتا ہے، اور کبھی اس پارٹی کی لیڈر کو بم پروف گاڑی میں ہوتے ہوئے بھی سرعام بم دھماکے سے اُڑادیا جاتا ہے۔ اور سب سے بڑا ظلم ان کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی کے بھی قاتل کو پکڑا نہیں جاتا، اور نہ ہی کبھی کسی قاتل کو سزا ہوئی ہے۔ پھر بھی ان لوگوں کو عقل نہیں آتی۔ آجکل اسی پارٹی کے وارث چیئرمین ’’بلاول بھٹو زرداری‘‘ نے اپنی ایک اور خواہش کا اظہار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ’’میری خواہش ہے کہ میری زندگی میں کوئی عیسائی پاکستان کا وزیر اعظم بنے‘‘ ماشاء اللہ کیا خوب خواہش پائی ہے۔ عیسائیوں کے ملک میں انہی کے ٹکڑوں پہ پل کر انہی کی گود میں کھیل کر جوان ہونے والے، اور پھر جوانی کی سیڑھیاں بھی انہیں کی نوجوان حسیناؤں کی باہوں کے سہارے طے کرنے والے، اور انہیں کے کلچر میں رنگے جانے والے، انہیں سے تعلیم اور سیاسی تربیت پانے والے سے اور کس بات کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ جس طرح کا ملک برطانیہ ہے، یہ پاک ملک بھی اسی قسم کا بن جائے۔ چونکہ انہوں نے ایک صلیبی ملک میں ہی ہوش سنبھالا ہے، اس لئے ان کو ہر طرف عیسائیت ہی عیسائیت نظر آرہی ہے۔ لہذا وہ پاکستان میں بھی صلیبیوں کا قتدار دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے پرنانا نواب شاہ نواز بھٹو بھی تو انہی صلیبیوں کے دور میں سندھ کے

نواب بنے تھے۔ پھر ان کی والدہ بے نظیر مرحومہ اور ان کے نانا ذوالفقار علی بھٹو مرحوم اور اب خاص کر ان کے والد کو بھی اقتدار دلانے میں انہی صلیبی قوتوں کا ہاتھ تھا، تو بھلا یہ خاندانی غلام اپنے آقاؤں سے نمک حرامی کیسے کر سکتے ہیں۔

موصوف کو ملک کے لئے عیسائی وزیر اعظم کا خواب دیکھنے کی بجائے پہلے عملی طور اپنی پارٹی کی طرف دیکھنا چاہئے تھا۔ تبدیلی یا خواہش کی تکمیل کے لئے انہیں پنی پارٹی کو آگے لانا چاہیے تھا۔ انہیں چاہیے تھا کہ سب سے پہلے اپنی ہی پارٹی کا چیئرمین کسی عیسائی کو بناتے، پھر اس کے بعد ملک کی بات کرتے۔ کیونکہ کسی بھی نظریہ کا ارتقاء اپنی ہی پارٹی سے شروع کیا جاتا ہے۔ جبکہ موصوف غور فرمائیں کہ ان کی اپنی پارٹی کا منشور بھی اسلام سے باہر نہیں ہے۔ اس پارٹی کے بانی انہی کے نانا مسٹر ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے اپنی پارٹی کے چند بنیادی اصول دیئے تھے۔ اسلام ہمارا دین ہے، سوشل ازم ہماری معیشت ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے، طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ اب ان میں دیکھا جائے تو سب سے پہلا اصول ہی اسلام رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کے نانا برسرِ اقتدار آئے تو انہوں نے پاکستان کا آئین اسلامی بنایا اور اس میں اسلامی شقیں داخل کیں، یہاں تک کہ یہ شق جس میں پاکستان کا صدر اور وزیر اعظم کے لئے مسلمان ہونا ہے بھرپور طریقہ سے آئین کا حصہ بنایا۔ بلکہ ان کے نانا نے تو قادیانیوں کو بھی آئین میں غیر مسلم درج کروا دیا۔ دوسری بات جس میں جمہوریت کو اپنی سیاست اور طاقت کا سرچشمہ عوام قرار دیا ہے تو موصوف کو سوچنا چاہیے تھا کہ کیا ان کی پارٹی کے جمہور اور طاقت کا سرچشمہ بھی ان کی اس خواہش کا احترام کرتے ہیں یا نہیں؟۔

دوسری بات یہ کہ جس ملک میں یہ صاحب پلے بڑھے اور پڑھے ہیں اس ملک برطانیہ میں آئین سیکولر ہونے کے باوجود کیا وہاں کوئی غیر عیسائی برطانیہ کا بادشاہ یا وزیر اعظم بن سکتا ہے؟۔ عیسائیوں میں دو فرقے مشہور ہیں۔(۱) پروٹیسٹ (۲) رومن کیتھولک۔ میری معلومات کے مطابق برطانیہ کا بادشاہ صرف اور صرف پروٹیسٹ فرقہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ برطانیہ کا وزیر اعظم عیسائی ہی ہو سکتا ہے اور کسی دوسرے مذہب یہاں تک کہ یہودی مذہب سے بھی نہیں ہو سکتا۔ موصوف کو چاہیے تھا کہ پہلے اپنے مربیّ ملک میں کسی مسلمان کو وزیر اعظم بنواتے۔ پہلے مسلمان ہونے کے ناتے مسلمانوں کو تو اپنے مربیّ ممالک میں حکمرانی کے حقوق لے دیں پھر وہ پاکستان میں اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے خواب دیکھیں۔

عدالت اور علالت میں جنگ

(جام در دست وسگ در بغل) ہاتھ میں جام اور کُتّا بغل میں لے کر جب جرنیل صاحب بر سر اقتدار آئے تھے، تو ان کو کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ہر ایک کو چیونٹی کی طرح مسلتے ہوئے آگے نکلتے چلے جارہے تھے۔ بہت سے لوگوں کو انہوں نے قتل کیا، ایجنسیوں کے ذریعہ اغوا کر یا جن کا آج تک پتہ ہی نہیں چل رہا، ان مغویوں کے پسماندگان آج بھی اپنے دروازوں پر اپنے پیاروں کی واپسی کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ لال مسجد ہو یا پورے پاکستان کے دینی ادارے، ان کو کچلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا۔ اکبر بگٹی کو مروایا۔ اور نہ جانے کیا کچھ کیا، مگر جناب کی کان میں جوں تک نہیں رینگی تھی۔ اور بابانگِ ڈُھل یہ کہا جاتا تھا کہ ''میں کسی سے ڈرتا ورتا نہیں ہوں'' مگر آج کتنا عجیب لگ رہا ہے کہ یہی شخص جب ٹی، وی، سکرین پر نمودار ہو رہا ہے، اگر چہ اس کے آگے پیچھے سیکورٹی اہلکار متعین ہیں، پہلے بھی اہلکار متعین ہوتے تھے، فرق صرف یہ ہے کہ پہلے یہی اہلکار اس کی شان بڑھاتے تھے، کیونکہ وہ اس ملک کے سیاہ وسفید کا مالک تھا۔ اس وقت اس شخص کو اپنی طاقت، حکومت، نخوت پر اتنا غرور تھا کہ وہ کسی کی بات سننا بھی اپنی توہین سمجھتا تھا، اس کی جنبش ابرو سے کتنے لوگوں کو قتل کر دیا جاتا تھا، کتنے لوگوں کو اغواء کر لیا جاتا تھا، کتنے معصوموں کے بموں کے ساتھ پرخچے اُڑا دیئے جاتے تھے، مگر آج وہ تنہا ہے، اس کی سیکورٹی اس کی شان بڑھا نہیں رہی بلکہ گھٹا رہی ہے، اس کو ذلیل کر رہی ہے۔ پہلے وہ ان سیکورٹی اہل کاروں کا بادشاہ تھا آج وہ ان کا محتاج ہے۔ پہلے وہ اگر سیکورٹی اہل کاروں میں سر اُٹھا کر اکڑ کر چلتا تھا، آج وہ سر جھکا کر سر پر کفِ ماتم رکھے ہوئے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے چلتا ہے۔ پہلے اس کی آواز میں طمطراق تھا اور آج آواز رُندھی ہوئی ہے، اس کی آنکھیں نم آلود ہیں، اس پر لوگ ہنس رہے ہیں۔

یاد کرو وہ دن جب کہ اس نے پوری دنیا کو پاکستانی ٹی، وی، پر ایک منظر دکھایا تھا کہ جو کہ کئی دن تک چلتا رہا، اس میں دکھایا جارہا تھا کہ اسلام آباد میں ایک مسجد اور ایک مدرسہ میں کچھ لوگ محبوس ہیں، ان پر زمین تنگ کر دی گئی ہے، ان کو آسمان دیکھنے کی اجازت نہیں ہے، ان کا کھانا بند کر دیا گیا ہے، ان کا پانی بند کر دیا گیا ہے، ان کی بجلی بند کر دی گئی ہے، ان کا سونا حرام کر دیا گیا ہے، ان کو وضوء کرنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اُن کے پاس پینے تک کے لیئے پانی نہیں ہے، وہ اگر نماز پڑھتے ہیں تو تیمّم کر کے پڑھتے ہیں۔ مسجد کے ساتھ ہونے کے باوجود مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ جو خدا کا قرآن پڑھ رہے ہیں، اسلام کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، دن رات خدا کے سامنے سجدہ ریز

ہیں،۔ان میں ایک بوڑھی ماں ہے، پھر نوجوان بچیاں ہیں جنہوں نے زندگی کی رعنائیاں نہیں دیکھیں، پھر معصوبچیاں ہیں جن کے ابھی کھیل کود کے دن ہیں، جن کے لاڈ اُٹھانے کے دن ہیں، جو خدا کے قرآن کو سینے سے لگا کر سوتی ہیں۔

پھر اچانک نہ جانے کیا ہوا کہ ان کو دہشت گرد کہا جانے لگا۔ ان کو معاشرے کا ناسور کہا جانے لگا، ان کو قبضہ گروپ کہا جانے لگا، ان کے خلاف مختلف سیاسی لیڈروں اور غیر ملکی امداد پر پلنے والی یتیم این، جی، اوز، نے بیانات دینے شروع کر دیئے۔ پھر کراچی میں کچھ چوہے بلوں سے نکل آئے انہوں نے حیاباختہ عورتوں کے ذریعہ ان کے خلاف جلوس نکالے اور جلسے کیئے۔ ان کے خلاف مغرب زدہ ایک پارٹی کی سربراہ نے باقاعدہ دوبئی سے بیانات داغے۔ اخبارات میں سفلی خواہشات کے عادی قلم کاروں نے ان کے خلاف ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنے اپنے جوہر دکھائے، اور پھر داد طلب نگاہوں سے ایڑیاں اونچی کر کے اپنے اس کارنامے پر تمغہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

دوسری طرف ان مسجد و مدرسے والوں کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے اس کو چکلہ نہ بناؤ، کم از کم ماؤں بیٹیوں کو احترام کی جگہ رکھو۔ مساجد کو گرانا بند کرو۔ مگر ہوا وہ کہ جو پیچھے گزر چکا۔ آخر کار کچھ لوگوں نے بیچ میں پڑ کے کوئی مفاہمتی راہ نکالنے کی کوشش کی۔ مسجد والوں کا مطالبہ تھا کہ کوئی محفوظ راستہ دیا جائے۔ چنانچہ طے ہو گیا، مگر جب معاملہ ایک خودمختار شخص کے پاس پہنچا تو تمام کیئے کرائے پر پانی پھیر دیا گیا۔ صرف اور صرف ایکشن کا حکم ہوا۔ پھر وہاں پر اوپر سے آگ برسائی گئی۔ دھماکے ہوئے، گولیاں چلیں، فاسفورس بم پھینکے گئے۔

جنرل صاحب نے ایک کتاب "سب سے پہلے پاکستان" لکھی تھی۔ جو کہ انہی کی کہانی تھی اور انہوں نے اپنی ہی زبانی لکھی تھی۔ اسی کے کچھ تراشے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ جنرل موصوف اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

(ا)۔ ان کے خاندان کا شجرہ نسب براہ راست نبی اکرم ﷺ سے ملتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ ان کے والد اور والدہ دونوں بہترین ڈانسر تھے اور موسیقی کے دلدادہ تھے، انکی والدہ کی آواز بہت سریلی تھی اور وہ بہت اچھا ہارمونیم بھی بجا لیتی ہیں،...... جنرل صاحب اپنی والدہ محترمہ کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ان کی والدہ نے ترکی میں پاکستانی سفارتخانے میں اسٹینو ٹائپسٹ پاکستان میں کسٹم افسر کی نوکری کے علاوہ فلپس کمپنی میں کمپنی کے جنرل منیجر مسٹر برنکس کی سیکرٹری کے فرائض بھی انجام دیئے، ترکی کے سفارتخانے میں نوکری کے دوران ملکہ برطانیہ کی تاج پوشی کی تقریب میں ان کے

والدین نے ڈانسنگ کا پہلا انعام حاصل کیا۔

(۲)۔جنرل صاحب کو کتے پالنے کا شوق بھی ترکی ہی میں ہوا، جہاں ان کے ایک کتے کا نام ''وہسکی'' تھا جو ایک حادثے میں مارا گیا، جنرل صاحب کے بقول ان کو بڑے کتے پالنے کی بجائے چھوٹے کتے پالنے کا شوق ہے، یہ شوق ان کی زندگی کا حصہ بن گیا۔ان کی اہلیہ صہبا بھی کتے پالنے کی شوقین ہیں ......البتہ ان کی یادداشتوں کے حوالے سے کچھ باتیں سمجھ میں نہیں آئیں مثلاً یہ بات تو بالکل ہی سمجھ نہیں آسکی کہ وہ بڑے کتے پالنے کی بجائے چھوٹے چھوٹے کتے کیوں پالتے ہیں، انہیں یہ شوق کب سے ہے، کیا بڑے کتے پالنے میں کوئی پرابلم ہے یا چھوٹے قد والی نسل کے کتے انہیں ویسے ہی پیارے لگتے ہیں۔

(۳)۔جنرل صاحب کی کتاب میں اس طرح کی اور بھی بہت سی دلچسپ باتیں ہیں جن میں کالج کے زمانے میں ٹائم بم بنانا اور وارڈن کے گھر کے باہر دھماکے کرنا بھی شامل ہے۔

میں نے اوپر کی سطور میں ان کی جن یادداشتوں کا حوالہ دیا ہے، میرے نزدیک یہ بھی قابل توجہ ہیں کیونکہ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان کی شخصیت سات سال کی عمر تک مکمل ہوجاتی ہے،اس کے بعد کوئی بنیادی تبدیلی اس کی شخصیت میں نہیں آتی ، بہت چھوٹی موٹی ترمیم کی گنجائش رہتی ہے۔

ہم نے اس مضمون سے صرف تین باتیں اخذ کی ہیں۔ہم ان کا تجزیہ تیسری بات سے شروع کرکے پہلی تک لے جائیں گے۔

☆۔موصوف نے لکھا ہے کہ ٹائم بم بناتا تھا اور وارڈن کے گھر کے سامنے دھماکے کیا کرتا تھا ۔تو موصوف نے اس علت کو ساری زندگی جاری رکھا، جب سے موصوف نے اقتدار پر غاصبانہ قبضہ کیا تھا یہی کچھ کرتے رہے۔غیر کے مقابلے میں ملک کی حفاظت کے لیئے لڑنے کی بجائے یہ شوق اپنوں کے اوپر بمبارے کرکے پورا کرتے رہے۔جس کی مثال قبائلی علاقے ہیں،اس میں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

☆۔دوسری بات کتوں کو پالنے کا شوق تو اس کے متعلق عرض ہے کہ۔

امریکی اور یورپی اقوام ''کتے'' بڑے شوق سے پالتی ہیں۔اس کی وجہ شاید یہ کہ ''کتا'' بنیادی طور پر بڑا وفادار جانور ہوتا ہے۔روکھی سوکھی کھا کر بھی مالک کے دروازے پر پڑا رہتا ہے۔اور مالک ذرا بھی ڈانٹے یا شِشکارے تو وہ مالک کے قدموں میں ''لوٹ پوٹ'' ہوجاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ امریکی صحافی انگلستان کے سابق وزیراعظم ٹونی بلیئر کو صدر بش کا پوڈل (Poodle) کہا

کرتے تھے،اور ٹونی بلیئر اس تعریف (Compliment) اورعزت افزائی پر بہت خوش ہوتے تھے۔ وضاحت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ ''پوڈل'' انگریزی لفظ ہے، جس کا ترجمہ گھنگریالے بالوں والا گھریلو''کتا'' کیا جاسکتا ہے۔ جسے ہمارے ہاں عام طور پر ''کتورا'' کہتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب پرویز مشرف نئے نئے اقتدار میں آئے تھے تو دنیا کو اپنی روشن خیالی کا پیغام دینے کے لیئے گود میں دو کتورے ''پوڈل'' اٹھا کر تصویریں کھنچوایا کرتے اور اخبارات میں اہتمام سے چھپوایا کرتے تھے۔ اسی طرح جب مشرف صاحب اپنی سوانح عمری کی پروموشن کے لیئے امریکہ گئے تو وہاں ایک امریکی مشہور ٹی وی کے پروگرام میں بطور مہمان بلائے گئے۔ اس پروگرام کا ہوسٹ طنز و مزاح کا بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔ مشرف صاحب کی کارکردگی اس میں بہت ہی اچھی رہی، لیکن مجھے یاد ہے کہ اس پروگرام کے ہوسٹ نے اس سے اگلے پروگرام کے آغاز میں پاکستان اور افغانستان کو اپنے کتورے (Poodles) کہہ کر یاد کیا اور ناظرین کو ہنسایا تھا۔ اصل میں اس کا اشارہ پاکستان اور افغانستان کے سربراہوں کی طرف تھا اور مقصد ان کی وفاداری کا اعتراف کرنا تھا اور ان سے محبت کا اظہار کرنا تھا۔ اس سے آگے مزید کیا کہوں؟

☆۔اب آیئے مشرف صاحب کی سب سے پہلی بات کی طرف:

اس کے دو جزو ہیں (۱) یہ کہ وہ سید ہیں، آل رسول ہیں۔ (۲) انکی والدہ نوجوانی میں بہترین ڈانسر تھیں۔

موصوف جس قسم کے سید ہیں اس کے متعلق انہوں نے اپنی والدہ کے پیشے کو بیان کر کے وضاحت کر دی۔ اس قسم کے سید اُس بازار (بازارِ حُسن) میں بڑی تعداد میں ملتے ہیں۔ میرے ایک دوست اختر کاشمیری جو کہ آجکل امریکہ میں ہوتے ہیں ۷۹-۱۹۷۸ء میں ''نقیب ملت'' کے نام سے لاہور سے ایک ہفتہ وار رسالہ نکالا کرتے تھے۔ انہوں نے فروری ۱۹۷۹ء میں ایک سپیشل نمبر نکالا، جس میں انہوں نے اُس بازار کی رہنے والیوں سے انٹرویو کیئے تھے۔ ان میں سے اکثر ایسی تھیں جنہوں نے کہا تھا کہ ہماری اولادیں سیدوں سے ہیں، بلکہ اس وقت ایک نامور ایکٹریس ایسی تھی کہ جس کے ماں نے بڑے فخر سے کہا تھا کہ یہ فلاں شاہ صاحب کی اولاد ہے۔ اگر موصوف واقعی خاندانی سید ہوتے تو اپنے نانا کا لایا ہوا دین اس ملک میں رائج کرتے۔ مگر وہ یہ کام کیوں نہ کر سکے، اس کی وجہ یہ ہے کہ موصوف کی والدہ بقول ان کے ایک بہترین ڈانسر تھیں۔

انگریزی زبان میں ناچنے والی کو ڈانسر کہا جاتا ہے۔ اور ہمارے مشرقی معاشرے میں اس کو

طوائف کہا جاتا نے۔طوائف کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ سر عام اپنے جسمانی اعضاء کو اس طرح لہراتی اور بل دیتی ہے کہ دیکھنے والا اُس پر اپنا سب کچھ لٹانے کے لیئے تیار ہو جاتا ہے۔موصوف جب سے اس ملک کے سیاہ وسفید کے مالک بنے اُسی وقت سے اپنی والدہ کا کلچر اس ملک میں نہ صرف متعارف کرانے لگے بلکہ بذریعہ قانون ہماری قوم پر ٹھونستے رہے۔پورے ملک کے ٹی،وی میڈیا کو اس کام پر لگا دیا کہ وہ موسیقی،ڈانس، لچر گانے ہر وقت چلاتے رہیں۔بلکہ ٹی،وی، میڈیا میں کسی کمپنی کی طرف سے جو اشتہار بھی چلائے جاتے ہیں ان میں ان کی والدہ کا کلچر اعلیٰ طریقے سے نمایا ہوتا ہے۔جس کو دیکھ کر شریف لوگ اپنے ٹی،وی بند کرنے پر مجبور ہو جاتے۔پھر حدود آرڈیننس کو حقوق نسواں بل میں بدل کر زناء اور دیگر خرافات کے لئے قانونی جواز فراہم کیا۔جس کا اُس بازار سے تعلق رکھنے والی مخلوق نے سب سے زیادہ خیر مقدم کیا اور جشن منایا۔

لال مسجد پر''خاموش ایکشن''میں بھی یہی فکر کارفرما تھی۔آپ ذرا غور کریں کہ جب لال مسجد کا معاملہ اُٹھایا گیا تو چھ ماہ تک کچھ نہیں کہا گیا، کیونکہ اس وقت تک لال مسجد والوں نے کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھایا تھا جس سے ان کی والدہ کے کلچر پر زَدْ پڑے۔مگر جب لال مسجد والوں نے شمیم نامی نائکہ جو کہ عورتوں کے جسم بیچنے کی دلالی کرتی تھی اس پر ہاتھ ڈالا تو موصوف کو اپنی ماں کے کلچر پر آنچ آتے ہوئی محسوس ہوئی، چونکہ موصوف نے اپنی ماں کی گود سے لے کر تا ہنوز یہی کلچر دیکھا تھا اس لئے غصے او غضب کی انتہا نہ رہی۔چنانچہ سید زادے نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً ایسا ایکشن لیا کہ تاریخ میں اس کی مثال دینا مشکل ہے۔اس وقت لال مسجد والوں نے اپنے لیئے محفوظ راستہ مانگا،اس کے سب ساتھیوں نے بھی محفوظ راستے کی سفارش کی۔مگر موصوف نہ مانے،اس لیئے کہ موصوف کی ماں کے کلچر کو چھیڑا گیا تھا۔

خدا کی لاٹھی بڑی بے آواز ہے۔کسی نے کیا خوب کہا ہے

آجاؤ گے حالات کی زَدْ پر جو کسی دن
ہو جائے گا معلوم خدا ہے کہ نہیں ہے

موصوف خدا کو بھولے ہوئے تھے،اب حالات کی زد میں آچکے ہیں۔کہیں وہ وقت تھا کہ موصوف کسی کو محفوظ راستہ دینے کے لیئے تیار نہیں تھے،اور کیا وہ دن آئے کہ محفوظ راستے کے لیئے موصوف غیروں سے بھیک مانگ رہے ہیں۔آج جب وہ حالات کی زَدْ میں آچکے ہیں،تو ساری قوم خوش ہے،اگر کوئی ان کے پھنس جانے سے رنجیدہ ہے تو ان کی ماں کے کلچر کے دلدادہ، خصوصاً جن کا تعلق اُس بازار سے ہے۔یا وہ لوگ جو کہ اس کے ساتھ مل کر قوم کو یرغمال بنائے ہوئے تھے۔انہیں بھی خطرہ

ہے کہ آج اگر اس کا احتساب ہو گیا تو کل ان کی باری ہو سکتی ہے۔غیر ملکی آقاؤں سے لے کر ایم کیو ایم تک سب ہی اس پر سیخ پا ہیں۔سب ہی اس کو چھڑانے کے لئے بے چین ہیں۔جس میں عجیب عجیب طریقے استعمال کیے جا رہے ہیں۔کبھی اس کی رہائش اور عدالت کے راستے میں مصنوعی بم رکھے جا رہے ہیں,اور پھر تھک ہار کر اس کو بیمار بنا کر فوجی ہسپتال میں داخل کرا دیا جاتا ہے،تاکہ وہ عدالت میں کسی جج کے سامنے پیش نہ ہو سکے۔وہ یہ بھولے ہوئے تھے کہ ایک دن انصاف کے کٹھرے میں بھی پیش ہونا پڑتا ہے۔کیونکہ انہیں عدالتوں کے ججوں کو اس نے گرفتار کیا تھا،آج انہی ججوں کے سامنے پیش ہونا اس کی توہین ہے۔حق تو یہ تھا کہ یہی جنرل صاحب عدالت میں پیش ہو کر شجاعت کا اظہار کرتے ،مگر بدنصیب ڈرپوک اتنا کہ عدالت کے مقابلے میں علالت کو لے آیا۔اس سے بہتر تو مصر کا سابق صدر حسنی مبارک ہے جو کہ حقیقی بیمار ہونے کے باوجود سٹریچر پر عدالت میں پیش ہوتا ہے،اور اپنے اوپر لگائے گئے الزاما کا سٹریچر پر ہی جواب دیتا ہے۔کیا زمانہ آ گیا جو یہ دعوے کرتا تھا کہ میں کسی سے ڈرتا ورتا نہیں آج عدالت تک جانے کے لئے وہ علالت کا بہانہ کر کے فوجی ہسپتام میں دبکا ہوا ہے۔اور ساتھ ساتھ نہ صرف اپنے پرانے ریٹائرڈ فوجیوں کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کر رہا ہے، بلکہ وہ حاضر سروس فوجیوں کو بھی اپنی مدد کے لئے پکار رہا ہے۔

جس وقت موصوف نے قوم کے ساتھ زیادتی کی ،خصوصاً لال مسجد کا واقعہ،اس وقت کچھ لوگ جذباتی طور پر اس کو مارنے پر تُلے ہوئے تھے۔بلکہ اُس پر تین جان لیوا حملے بھی کیئے گئے۔اور اب اس کو عدالت کے ذریعہ قومی غدار قرار دے کر پھانسی دینے کی باتیں ہو رہی ہیں۔مگر میرا نقطۂ نظر اُس وقت بھی یہ تھا اور اب بھی ہے کہ اس کو جان سے مارنا کوئی حل نہیں ہے، کیونکہ جب کسی انسان کو مار دیا جاتا ہے تو وہ ہر قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔یہ کوئی انتقام نہیں ہے۔انتقام یہ ہے کہ یہ شخص زندہ رہے،اور دنیا ہی میں اس کو اس کے کیئے کا ثمر ملے۔اب جبکہ حکومت نے موصوف کا کیس عدالت کے سپر کر دیا ہے تو اس کو عدالت پر ہی چھوڑ دیا جائے ،اس میں کسی بھی قسم کی مداخلت نہ کی جائے۔

قوم کے قاتل،قانون کے مجرم،ملک کے غدار،ماؤں بیٹیوں کی عصمتوں کے سوداگر،قوم کے افراد کو ڈالروں کے عوض بیچنے والے دلاّل، کا باقاعدہ احتساب کرے۔اس کو کٹھرے میں لایا جائے،اس کو عدالتوں میں گھسیٹا جائے،کبھی کبھی عوام کو بھی اس کا مسخ شدہ چہرہ دکھا دیا جائے،اس کے منہ میں وہ ڈالر ٹھونسے جائیں جو کہ اس نے قوم کی دلاّلی کے عوض حاصل کیئے تھے۔اگر اس کے علاوہ کوئی محفوظ راستہ دیا گیا تو قوم اور تاریخ ہمیں معاف نہیں کریگی۔

مکاتیب رئیس الاحرار سے

رئیس الاحرارؒ بنام حضرت رائے پوری قدس سرہٗ

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے خلاف جب لدّھارام کے عنوان سے مقدمہ چل رہا تھا تو رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اس مقدمہ کی نگرانی بذاتِ خود کر رہے تھے۔

اور اس کی خبر قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کو دیتے تھے۔

اس سلسلہ میں یہ ایک مکتوب رئیس الاحرارؒ کی طرف سے حضرت رائے پوریؒ کو لکھا گیا۔

نوٹ :۔ یہ مکتوب فوٹوسٹیٹ کی صورت میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے نواسے حضرت مولانا محمد شاہد سہارنپوری مدظلہ نے رائے ونڈ کے گزشتہ اجلاس میں مدیر ماہنامہ ملیہ کو باقاعدہ بلا کر عنایت فرمایا۔

اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے

لاہور۔۱۳؍جنوری ۱۹۴۰ء

بخدمت اقدس زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

میں رات یکا یک دہلی سے لاہور پہنچا، ارادہ تھا کہ دہلی سے واپسی پر آپ کی قدم بوسی حاصل کروں گا۔

انیس کہ خط سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ حضرت کی طبیعت ناساز ہوگئی۔اور یہ بھی اطلاع ہوئی کہ اب آپ رُوبصحت ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔

کیا کروں میرا دل اکثر رائے پور میں رہتا ہے۔اپنے آپ کو آپ کے قریب پاتا ہوں۔دل میں یہی جذبہ ہے کہ اب سب کام چھوڑ کر صرف آپ کی خدمت میں رہوں، مگر ایسے حالات میں گرفتار ہوں کہ ''نہ جائے ماندن نہ پائے پائے رفتن''۔

گیارہ جنوری کو شاہ صاحب (سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ) کے مقدمے میں سی، آئی، ڈی، کے رپوٹر لدھارام نے یہ بیان دیا کہ ''یہ ڈائری فرضی ہے، اصلی جلوادی گئی تھی۔

اوراس نے اپنا استعفیٰ عدالت میں پیش کیا۔جس میں تمام واقعات درج ہیں کہ وزیر اعظم کے حکم سے یہ سب کچھ کیا گیا ہے۔

پنجاب کے اخبارات کو فوراً تنبیہ کی گئی کہ وہ اس مقدمے کی کارروائی اخباروں میں شائع نہ کریں۔جو مختصر شائع ہوئی ہے وہ ارسال کر رہا ہوں۔......والسلام۔حبیب الرحمٰن

اب شاہ صاحب کے مقدمے کی تاریخ ۲۳رجنوری سنہ ۴۰ء کو ہے۔میں لکھنا بھول گیا کہ مسلمان گواہوں نے خوب دل کھول کر شاہ صاحب کے خلاف گواہی دی۔

حبیب الرحمٰن

نوٹ:۔رئیس الاحرارؒ نے اپنے مکتوب میں وزیر اعظم کا لفظ استعمال کیا ہے۔اُس زمانے میں صوبے کے وزیر اعلیٰ کو وزیر اعظم کہا جاتا تھا۔

سید الطائفہ، قطب الاقطاب قطب العالم

مجالس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ

ایجادات زمانہ کی حکیمانہ توضیح

لیلۃ القدر کا ذکر چل رہا تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس رات میں حکیمانہ امور کا ترشح اذہان پر ہوتا ہے۔ پوچھا گیا کہ یہ سب ایجادات غیر مسلموں کی ہیں، مسلمانوں کی کوئی ایجاد نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے فرمایا مسلمان اس طرف توجہ نہیں کرتے دیکھو جو لوگ بی اے، ایم اے کر لیتے ہیں وہ پڑھتے ہیں تو ہو ہی جاتے ہیں۔

اگر کوئی پڑھے ہی نہیں تو کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی یہ حضرات اس طرف توجہ ہی نہ کریں تو کس طرح ایجادات ہو سکتی ہیں۔ اگر یہ توجہ کرتے تو یہ بھی کر سکتے تھے۔ سید محمد جمیل صاحب نے عرض کیا کہ میں نے ایک انگریز سائنسدان کی کتاب دیکھی ہے۔ جو کہ پندرہ بیس جلدوں میں ہے میں نے دو تین جلدیں دیکھی ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ آٹھویں نویں اور دسویں صدی عیسوی تک جتنی ایجادات ہوئی ہیں، سب مسلمانوں کی ہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ہر زمانہ میں جس چیز کی ضرورت محسوس ہوئی ہے لوگ اس طرف توجہ کرتے رہے ہیں۔ فرمایا ہمارے ایک استاد فرمایا کرتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ دلائل کو نہیں جانتے تھے بس لڑنا ہی جانتے تھے۔

اس زمانہ میں صحابہ رضی اللہ عنہ نے (کفار کے سامنے) اسلام پر دلائل بیان نہیں فرمائے۔ صرف جنگ ہوتی تھی اور جنگ میں ہی لوگ مسلمان ہوتے تھے۔ ان پر دلائل نہیں پیش کیے جاتے تھے۔ بعد میں فلسفیوں کا زمانہ آیا تو مسلمانوں میں بھی فلسفی پیدا ہوئے جو دلائل سے بات کرتے تھے۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے فارابی وغیرہ کو پیدا فرمایا، انہوں نے پہلے فلسفہ یونان پڑھا پھر عربی میں اس کا ترجمہ کیا پھر لوگوں کو فلسفیانہ دلائل کے ساتھ اسلام سکھایا۔

توجہ کرنے سے علوم کا القا ہوتا ہے

فرمایا بات یہ ہے کہ غور کرنے سے علوم کا القا ہوتا ہے۔اس پر حاجی محمد ارشد صاحب نے ایک سائنسدان کا واقعہ سنایا کہ اس نے چاہا کہ پٹرول کے اجزاء کو معلوم کرے نیز اس کی تاثیر اور خاصیت دریافت کرے۔

چنانچہ وہ کہتا تھا کہ غور کرنے سے میری سمجھ میں آ گیا لیکن اس کا فارمولا سمجھ میں نہیں آتا تھا۔آخر سوچتے سوچتے تھک گیا،اسی سوچ میں ایک رات کو جب آنکھ لگ گئی تو خواب میں معلوم ہوا کہ کوئی چیز ادھر سے ادھر حرکت کر رہی ہے،اور یوں اور یوں ہو رہا ہے۔بس اسی سے فارمولا بھی سمجھ میں آ گیا۔

حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کا ایک واقعہ

اس پر حضرت اقدس نے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ علیہ کا ایک واقعہ سنایا جو کہ دیوبند کے صدر مدرس تھے کہ ایک دفعہ خواب میں ان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا

(یا یوں فرمایا کہ مکاشفہ میں باری تعالیٰ سے مکالمہ ہوا)

تو انہوں نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ ان انگریزوں کو تو ہندوستان سے نکال دیں،تو ادھر سے جواب ملا کہ تمہارا کیا نقصان کر رہے ہیں بلکہ تمہارے فائدے کے کام کر رہے ہیں دیکھو سڑکیں بناتے ہیں،ریلیں بنائی ہیں،نہریں نکالی ہیں۔غرضیکہ تمہارے ہی راحت و آرام کے لئے کام کر رہے ہیں۔اس پر انہوں نے عرض کیا ۔

یہاں حضرت نے فرمایا میرا تو منہ نہیں ہے کہ اس کو نقل کروں اور شاید نقل کرنا ہم پر کس قدر ظلم کرتے ہیں۔اس پر ادھر سے ڈانٹ پڑی کہ او۔گستاخ چپ رہ۔پھر خود ہی فرمایا اچھا انگریز چلے جائیں گے۔اور ایسے جائیں گے کہ رات کو گے تو ایک سلطنت ہوگی اور جب دن ہوگا تو دوسری سلطنت ہوگی۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب ملک تقسیم ہوا تو دوسری سلطنت تھی یعنی انگریز کی حکومت تھی لیکن چودہ کی صبح کو انگریز جا چکا تھا اور بھارت اور پاکستان کی حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔

مسلمانوں میں اگر اونچے اخلاق ہوتے تو سب ہندو مسلمان ہو جاتے

فرمایا کہ تقسیم ملک کے وقت اگر مسلمان نرمی برتتے اور ہندوؤں کو گھروں سے نہ نکالتے تو وہ خود بخود مسلمان ہوجاتے۔ لیکن مسلمانوں نے بھی بڑے مظالم کئے۔ ایک صاحب کراچی کے جو تبلیغی جماعت کے مبلغ بھی ہیں مجھ سے کہنے لگے کہ ہندوؤں کے چلے جانے سے تجارت مسلمانوں کے ہاتھ آ گئی ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ حالت تو ہمارے مبلغین کی ہے عوام کا کیا حال ہوگا۔

اور ان سے کہا کہ تم تو ہندوؤں کو یہ کہتے کہ بھائی دنیا سب تم اپنے پاس ہی رکھو ہم سے تو صرف دین لے لو۔ اگر ایسا کرتے تو وہ سب مسلمان ہوجاتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ جس ملک کو فتح کرتے ان لوگوں سے کہتے سب کچھ تمہارا ہی ہے تمہیں حکمران رہو ہم سے تو صرف اسلام سیکھ لو۔ ایسے اخلاق دیکھ کر لوگ گرویدہ ہوجاتے تھے۔ فرمایا افسوس کہ مسلمان تبلیغ نہیں کرتے ورنہ لوگ تو اسلام قبول کرنے کو تیار ہیں۔

فرمایا مولانا محمد یوسف صاحب دہلویؒ نے فساد کے زمانہ میں ایک علاقہ میں تقریر فرمائی لوگ منع بھی کرتے رہے کہ وہاں بہت ہندو ہیں آپ وہاں نہ جائیں لیکن پھر بھی آپ تشریف لے گئے اور سننے والے سب ہندو تھے۔

ان کی تقریر کا ہندوؤں پر اتنا اثر ہوا کہ وہ کہنے لگے ایسی باتیں تو ہمیں کوئی بھی نہیں سمجھاتا، ایسی باتیں ہمیں ضرور سمجھایا کرو۔ اور تقریر کے بعد مولانا کی سواری کے پیچھے دوڑتے پھرتے تھے۔ اسی طرح مولوی عبداللہ صاحب پانی پت میں بیٹھے ہیں وہاں کوئی مسلمان نہیں سب ہندو ہیں۔ ان کا اتنا اثر ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارا سب کام ہندو کرتے ہیں۔ اگر میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم آپ کے راستہ میں لیٹ جائیں گے اور جانے نہیں دیں گے۔ وہ جب رمضان شریف میں قرآن شریف پڑھتے ہیں تو ہندو سننے کے لئے آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور ختم پر خود گھر سے مٹھائی لاتے ہیں اور تقسیم کرتے ہیں۔

مبلغین اسلام اور نصرت الٰہی

فرمایا تم تو کہتے ہو کہ نصرت الٰہی نہیں آتی، نصرت الٰہی تو آتی ہے تم خود ہی ایسے کام نہیں کرتے جن پر نصرت کا وعدہ ہے۔ تبلیغی جماعت کے ایک مبلغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دہلوی کے بلانے پر جارہے تھے، اس وقت فسادات ہو رہے تھے ہر طرف مسلمانوں کو قتل کیا جارہا تھا۔ لیکن وہ

جا رہے تھے کہ ان کو بلایا گیا تھا۔

موٹر پر سوار تھے کہ آگے سے ہندوؤں نے دیکھ لیا۔ایک شخص نے ریوالور سے فائر کرنا چاہا مگر وہ نہیں چلا، دوسری دفعہ کوشش کی پھر بھی نہ چلا، تیسری دفعہ بھی نہیں چلا تو وہ ہندو کہنے لگا جا جا چلا جا خبر نہیں تو کون بھوت ہے۔اس طرح وہ صحیح سلامت مولانا کے پاس پہنچ گئے۔

فرمایا ایسے ہی ایک مرتبہ مولانا موصوف نے چند اور حضرات کو بلایا وہ ریل گاڑی میں دہلی جا رہے تھے۔راستے میں ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر سکھوں نے گاڑی روک لی، دیکھا تو چاروں طرف سکھ برچھے اور نیزے لئے ہوئے کھڑے تھے۔

ڈرائیور تو انجن کو لے کر چلا گیا اور گاڑی وہیں کھڑی رہی چنانچہ سکھ برچھے لئے ہوئے دوڑ کر آئے، یہ کہتے تھے جب گاڑی کے پاس آئے تو خبر نہیں ان کو کیا خیال آیا کہ وہ خود بخود واپس چلے گئے۔ پھر انجن آیا اور گاڑی کو لے کر چلا گیا اور سب صحیح سلامت بستی نظام الدین دہلی پہنچ گئے۔فرمایا یہ نصرت الٰہی نہیں تو اور کیا ہے۔

فرمایا ایک مرتبہ ایک تبلیغی جماعت کہیں جا رہی تھی گاڑی سے اترے تو راستہ بھول گئے یہ معلوم نہیں تھا کہ کس طرف کو جانا ہے اور کتنی دور جگہ ہے۔مغرب کی نماز پڑھی اور سوچنے لگے کہ کس طرف کو جائیں۔ان میں سے ایک نے کہا اجی ایک طرف کو منہ کر کے چلو، چنانچہ چلتے رہے۔راستے میں ایک جگہ سے آواز آئی کہ ٹھہرو ٹھہرو فلاں طرف کو چلو، تھوڑی دیر کے بعد دو آدمی آئے اور کہنے لگے ہمارے پیچھے پیچھے آؤ۔

چنانچہ ان کے پیچھے ہو لئے۔آخر ایک جگہ دور سے روشنی نظر آئی، کہنے لگے وہ جو روشنی نظر آ رہی ہے ادھر کو ہو جاؤ، اچھا ہم جاتے ہیں۔انہوں نے کہا اپنا نام تو بتاتے جاؤ۔ایک نے کہا میرا نام رحمت ہے دوسرے نے کہا میرا نام ہمت ہے۔یہ کہہ کر وہ تو غائب ہو گئے اور یہ ہنسنے لگے کہ ہم ابھی کہہ رہے تھے کہ ہمت کرو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے پہنچا دیں گے۔یہ ہمت اور رحمت ہی آ گئے۔چنانچہ اس روشنی کے پاس پہنچے تو وہاں کھانے کے لئے ان کا انتظار کر رہے تھے اور وہی ان کی منزل مقصود تھی، فرمایا کیا یہ نصرت نہیں ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر **سب سے پہلا فتوائے تکفیر**

تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

قسط 40

تحریکِ ختم نبوت میں رئیس الاحرارؒ کی انفرادیت

بانیٔ احرار، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کو تین چیزیں وراثت میں ملی تھیں۔(۱) انگریز دشمنی (۲) قادیانیت کی تردید اور اس کے خلاف تحریک (۳) سر سید احمد خان کی نیچری تحریک کی مخالفت۔ کیونکہ ان تینوں کے خلاف کام کی ابتداء اور ان پر جو سب سے پہلے فتوے دیئے گئے وہ اسی خاندان علماء لدھیانہ نے کی طرف سے تھے۔ اس سلسلہ میں رئیس الاحرارؒ کی تربیت ان کے دادا مرزا غلام احمد قادیانی پر اوّل مکفّر حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ نے کی۔ رئیس الاحرارؒ اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں کہ میری چھوٹی عمر میں ہی میرے دادا نے میری تربیت اس طرح کی کہ مجھے انگریز اور مرزائیت سے نفرت ہوگئی، اور ان کے خلاف میرے دادا مجھے باقاعدہ مضمون یاد کروا کر مسجد کے ممبر پر بٹھا دیا کرتے تھے، اور خود دوزانو ہو کر میرے سامنے بیٹھ جایا کرتے تھے، اور مجھے فرماتے کہ جو تمہیں سکھایا ہے وہ بیان کرو۔ تو میں وہ باتیں بیان کر دیا کرتا، اور میرے دادا انہاک سے میری تقریر سنا کرتے۔ رئیس الاحرارؒ کے دادا، ۱۹۰۳ء میں انتقال فرما گئے۔ اس کے بعد یہ ذمہ داری ان کے والد حضرت مولانا محمد زکریا لدھیانویؒ نے سنبھالی۔ اس ذمہ داری میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے بھی ساتھ دیا۔ یاد رہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ لدھیانہ میں حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ کے پاس پڑھتے رہے ہیں۔ رئیس الاحرارؒ نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ ’’میں بچپن میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی گود میں کھیلتا رہا ہوں‘‘۔

تحریک ختم نبوت میں کئی دور آئے ہیں۔ پہلا دور ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء جب خاندانِ علماءِ لدھیانہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفریہ عقائد کی چھان پھٹک کر کے اس پر سب سے پہلا فتوائے تکفیر دیا۔ اس وقت ہندوستان کے تمام علماء نے اس فتوائے تکفیر کی مخالفت کی۔ دوسرا دور ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۱ء سے شروع ہوتا ہے، جب فتوائے تکفیر کی مخالفت کرنے والے انہی علماء نے خاندان علماءِ لدھیانہ کے فتوائے تکفیر پر ان کے علمی بصیرت کو تسلیم کر کے انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مرزا قادیانی پر متفقہ طور پر فتویٰ تکفیر جاری فرمایا۔ تیسرا دور ۱۹۰۸ء میں مرزا قادیانی کے جہنم رسید ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے جب فتویٰ دینے

والوں میں دو طبقے پیدا ہو گئے۔ایک طبقہ وہ تھا جو کہ اپنے تکفیر کے موقف پر قائم رہا۔دوسرا طبقہ وہ تھا جس نے اپنے تکفیری موقف میں تذبذب پیدا کر دیا۔باہر تو لوگوں میں تکفیر کے موقف پر قائم رہتا مگر عدالتوں میں جا کر قادیانیوں کو مسلمان تسلیم کر لیتا تھا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عام لوگوں میں بھی تذبذب پایا جانے لگا۔جس کا فائدہ قادیانیوں نے سیاسی طور پر اٹھایا اور اس وقت کے ماڈریٹ طبقہ کے دلوں میں اپنے لئے نرم گوشہ پیدا کر لیا۔ایسے وقت میں امت کو ایسے فتنے کی نشاندہی کرنا اور تکفیر کے موقف کو عام کرنا بہت ضروری تھا۔کوئی منظّم جماعت تو باقاعدہ ایسی نہ تھی جو کہ اس کام کو اٹھا سکے۔چنانچہ اسی خاندان علماءِ لدھیانہ کے فرزند رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے ہی اس کے لئے دوبارہ قدم اٹھایا۔اس حساب سے تحریک ختم نبوت کا یہ از سر نو آغاز تھا۔اس میں رئیس الاحرارؒ کی سرپرستی زبدۃ المحدثین حضرت مولانا علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ، شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ اور پھر ان کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے بھرپور طریقہ سے فرمائی۔رئیس الاحرارؒ ابتداء میں افغانستان کے ایک نقشبندی بزرگ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ سے بیعت تھے۔اس کے بعد انہوں نے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پورؒ نے حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ کی خدمت میں رہ کر ہی جدوجہد آزدی کا جذبہ پایا تھا۔۱۹۱۰ء کی دہائی میں جب غیر مقلدین کے اوّل مکفّر مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم اور فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم نے عدالتوں میں جا کر مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان نکاح کی بنیاد پر قادیانیوں کو مسلمان تسلیم کرنا شروع کر دیا (اس کی تفصیل پہلے لکھی جا چکی ہے) تو رئیس الاحرارؒ کو اپنے خاندان کی اس سلسلہ میں کی ہوئی محنت رائیگاں نظر آنے لگے۔چنانچہ ۱۹۱۸ء حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پویؒ کے مشورہ سے از سر نو ایک استفتاء (اسی مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان نکاح کے عنوان سے) ترتیب دیکر قادیانیوں کے خلاف کفر کا فتویٰ حاصل کیا، اور واضح کیا کہ ”قادیانیوں اور مسلمانوں کا آپس میں نکاح جائز نہیں“۔یہ فتویٰ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی خواہش پر مرتب کیا گیا، جس پر رئیس الاحرارؒ نے اپنی کوششوں سے ہندوستان کے مختلف علماء و مفتیان کے دستخط کروائے۔اس فتوے پر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے دستخط بھی ہیں۔حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے اپنے دستخط میں ”عبدالقادر شاہ پوری“ لکھا ہے۔یہ فتویٰ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی زندگی میں تو شائع نہیں ہو سکا، کیونکہ ہندوستان کے مفتیان کرام سے دستخط لینے میں دیر ہو گئی تھی۔حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا ۱۹۱۸ء یا ۱۹۱۹ء میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ انتقال سے قبل رئیس الاحرارؒ کا ہاتھ اپنے جانشین

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ہاتھ میں دے گئے تھے۔اس فتوے پر کام جاری رہا،اور یہ فتویٰ ۱۹۲۳ء میں دیو بند سے شائع کیا گیا۔اس کی اشاعت کا اہتمام دارالعلوم دیو بند کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے کروایا تھا۔یہ بات ذہن میں رہے کہ رئیس الاحرارؒ نے دارلعلوم دیو بند سے فراغت حاصل کی تھی ۔اس دوران حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی خصوصی سرپرستی ان کو حاصل رہی۔دارالعلوم دیو بند میں تو سیاسی سرپرست حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ ہی تھے۔انہوں نے رئیس الاحرارؒ میں جذبہ حریت دیکھا ،تو سیاسی جلسوں میں ان کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔اوران کا باقاعدہ بیان کرواتے۔ایک دفعہ رئیس الاحرارؒ کے والد حضرت مولانا محمد زکریا لدھیانویؒ نے حضرت مہتمم صاحب سے کہا کہ میرے بیٹے کو سیاست میں زیادہ نہ لے جائیں،تو اس پر مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ مہتمم دارلعلوم دیو بند نے فرمایا کہ آپ کا بیٹا موت کی سزا سے تو شاید بچ جائے مگر جیل جانے سے اسے روکا نہیں جاسکتا۔تو گویا کہ رئیس الاحرارؒ کے دادا حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ اوران کے والد حضرت مولانا محمد زکریا لدھیانویؒ کی تربیت،حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی سرپرستی ،حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ مہتمم دارالعلوم دیو بند کی سیاسی بصیرت،حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی فراست اور حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی نظر عنایت نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کو دینی، علمی، سیاسی اعتبار سے کندن بنا دیا تھا۔انہیں اس بات میں تجربہ ہو گیا تھا کہ کونسے وقت میں کونسی تحریک چلانی ہے اور کونسا مہرہ کہاں پر لگانا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں جو سب سے پہلی تحریک عوامی سطح پر متعارف ہوئی وہ تحریک خلافت تھی۔اس میں صوبہ پنجاب میں اگر جان ڈالی گئی تو اس میں رئیس الاحرارؒ کی نگاہِ دور بین کا بڑا تعلق تھا۔اسی لئے انہیں پنجاب خلافت کمیٹی کا صدر بنالیا گیا۔اس وقت پنجاب ہی ہندوستان کا سب سے بڑا صوبہ اور ہندوستان کی سیاست کا سب سے بڑا مرکز تھا۔جس کی سرحدیں دہلی سے شروع ہو کر سندھ، سرحد اور بلوچستان سے ملتی تھیں۔اور پھر پنجاب کی اسی سیاسی تحریک کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رئیس الاحرارؒ نے آئندہ کی سیاست میں اپنے داؤ پیچ آزمائے۔اور ایک ایسی جماعت قائم کر کے ہندوستان کی آزادی کا صور ایک کونے سے لے دوسرے کونے تک بجا دیا۔اس جماعت کا نام مجلس احرار اسلام ہند ہے۔

۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء کو مرزا غلام احمد قادیانی پر خاندانِ علماء لدھیانہ کی طرف سے فتوائے تکفیر دے کر تحریک ختم نبوت کا آغاز کیا گیا تھا،تو اس کے بعد باقاعدہ کسی منظّم جماعت کی شکل میں قادیانیت کے خلاف مہم نہیں چلائی گئی تھی۔کچھ اہل علم نے انفرادی یا گروہی شکل میں مرزا قادیانی یا اس کے حواریوں سے مباحثے، مناظرے یا پھر مباہلے کئے تھے۔اسی لئے مرزا قادیانی کے جہنم رسید ہونے کے بعد قادیانیت کے

خلاف مزاحمت نے دم توڑنا شروع کر دیا تھا۔اور لوگوں نے سمجھنا شروع کر دیا تھا یا قادیانیوں نے عوام الناس کو یہ باور کرانا شروع کر دیا تھا کہ یہ صرف مولویوں کے کھانے پینے کے بہانے ہیں، کفر اسلام کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔قادیانیوں نے عام مناظروں یا مباحثوں سے ہٹ کر سیاسی سطح پر کام کرنا شروع کر دیا۔جس میں ان کو انگریزی سرکار کی بھر پور سرپرستی حاصل تھی۔جس کا نتیجہ ہم گزشتہ شماروں میں بیان کر چکے ہیں۔اس کی وجہ سے بڑے بڑے ماڈریٹ تعلیم یافتہ قادیانیوں کے جال میں آ گئے ،اور قادیانیوں کی تعریفیں اپنی تحریرات میں کرنا شروع کر دیں۔یہ دور انتہائی نازک تھا۔ایک طرف ترکوں کی سلطنت عثمانہ کا تیا پانچہ کر کے مسلمانوں کی مرکزیت کو توڑ دیا گیا تھا۔جس کی وجہ سے ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ایک ہیجانی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی،تو دوسری طرف قادیانیت لوگوں کو گمراہ کر کے سیاسی سطح پر اپنا مقام بنا رہی تھی۔رئیس الاحرارؒ کی قادیانی سرگرمیوں پر گہری نگاہ تھی۔اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے مشورہ جاری رکھا۔تو ایسے حالات میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی بھی رائے یہ تھی کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ سیاسی طور پر بھی قادیانیوں کا مقابلہ کیا جائے۔جیسا کہ ابھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے مرنے کے بعد ختم نبوت کے نام پر کوئی عوام سطح کی تحریک نہیں رہی تھی۔اور خاص کر جب تحریک خلافت چل رہی تھی تو کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی قادیانیت کے خلاف کوئی پروگرام نہیں تھا۔۱۹۲۰ء کی دہائی میں جب علامہ اقبال مرحوم عوامی سطح پر اُبھر کر آئے اور انہوں نے ۱۹۲۶ء میں لاہور سے الیکشن لڑا،جس میں علماء خصوصاً رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے بھر پور طریقہ سے اقبال مرحوم کی انتخابی مہم میں جاندار کردار ادا کیا،تو رئیس الاحرارؒ نے واضح طور پر محسوس کیا کہ قادیانیوں نے اقبال کو گھیرا ڈال رکھا ہے،تو انہیں فکر لاحق ہوئی۔اور یہی فکر انہیں کھینچ کر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے پاس لے گئی۔امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تحریک خلافت اور دوسری تحریکوں میں ان کے ساتھ تھے،رئیس الاحرارؒ ان کی خطابت کے جوہر دیکھ چکے تھے،ایسی تحریکوں میں اسی قسم کی خطابت کی ضرورت ہوتی ہے۔اس لئے وہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے رئیس الاحرارؒ کی باتوں سے اتفاق کیا۔اور فرمایا کہ ڈاکٹر اقبال کو ہم ضائع نہیں کرنا چاہتے ،ان کو قادیانیوں کے چنگل سے بچایا جائے۔رئیس الاحرارؒ کے ذہن میں منصوبہ یہ تھا کہ قادیانیوں کا مقابلہ سیاسی سطح پر کیا جائے۔اس کے لئے سٹریٹ پاور کی ضرورت ہے۔اور سٹریٹ پاور کے لئے ایک منظّم جماعت کا ہونا ضروری ہے۔رئیس الاحرارؒ تحریک خلافت میں اجتماعیت کے فوائد دیکھ چکے تھے۔کیونکہ اس سے پہلے جتنی بھی کوششیں کی گئی تھیں ان میں سٹریٹ پاور کا استعمال نہیں کیا گیا تھا۔تحریک خلافت کا فائدہ یہ ہوا کہ اس سے عوام میں بیداری کی ایک لہر

دوڑ گئی تھی۔ چونکہ رئیس الاحرارؒ تحریک خلافت پنجاب کے صدر تھے۔ ان کی خواہش تھی کی آئندہ انگریز ہو یا اس کے خیر خواہ جس میں قادیانیت سرفہرست تھی ان کا مقابلہ ایک منظّم سیاسی جماعت کے ذریعہ کیا جائے۔ چنانچہ رئیس الاحرارؒ نے اپنے ساتھیوں کے مشورے سے ایک جماعت ترتیب دے ہی دی۔ اور پھر قادیانیت کا بحیثیت جماعت مقابلہ کیا، جس کے نتائج فوراً سامنے آنے لگے۔ رئیس الاحرارؒ کے اس سیاسی تدبر کو بڑے ذی فہم لوگوں نے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ان میں سے چند کے خیالات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

چند مشاہیر کے تأثرات

مولانا محمد علی جوہر مرحوم

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے تحریک خلافت کی پنجاب میں جس طرح قیادت کی۔ جوش کے ساتھ ہوش، تحریک کے ساتھ تنظیم کو جس طرح متعارف کرایا، اور تفکّر و تدبّر کے ساتھ جس طرح فیصلے کئے، اس سے پورے ہندوستان میں تحریکِ خلافت میں جان آ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ مرکزی تحریک خلافت کمیٹی اپنی ہر پالیسی پنجاب خلافت کمیٹی سے پوچھ کر بناتی۔ ایک طرف تحریک خلافت عروج پر تھی تو دوسری طرف ۱۹۲۴ء میں بلادِ عرب میں آل سعود نے ''مکۃ المکرّمہ'' میں شریف مکہ کو شکست دے کر حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر آل سعود نے حرمین میں قائم کی گئی مقدس یادگاروں کو مسمار کرنا شروع کر دیا۔ اس پر پورے عالم اسلام خصوصاً ہندوستان میں ہیجان پیدا ہو گیا، اور آل سعود کے خلاف نفرت کا لاوی اُبل پڑا۔ یہاں تک کہ تحریک خلافت کمیٹی کے مرکزی راہنما مولانا محمد علی جوہر مرحوم بھی اس میں کود پڑے۔ انہوں نے آل سعود کے خلاف جلسے اور جلوس نکالنے شروع کر دیئے۔ رئیس الاحرارؒ مسلمانوں میں اجتماعیت چاہتے تھے مگر مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے طرز عمل سے مسلمانوں کی اجتماعیت کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ اس پر رئیس الاحرارؒ نے مولانا محمد علی جوہر مرحوم کا سخت نوٹس لیا۔ پھر ۱۹۲۶ء میں مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی زیرِ قیادت ایک وفد سعودی عرب گیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ اس میں رئیس الاحرارؒ کو خصوصی طور پر ساتھ لے کر گئے تھے۔ پھر اس وفد کی کوششوں سے سعودی عرب میں مقدس عمارات کو ڈھانے گرانے کا سلسلہ رُک گیا۔ تو اس پر مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے بے اختیار کہا:

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی عمرِ فاروقؓ کے کردار کا عکس ہیں، میں جب ان کو دیکھتا ہوں تو مجھے حضرت عمرؓ یاد آ جاتے ہیں۔ (سرگزشت ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم

دارالعلوم دیوبند

قادیانیت کے مقابل جماعتی حیثیت سے ٹکر لینے پر حکیم الاسلام فرماتے ہیں:

بہر حال نوعی حیثیت سے اس علمی خاندان میں جو چیز قدر مشترک کے طور پر اسلاف واخلاف میں نمایاں نظر آتی ہے اور ساتھ ہی اس کے آثار بھی مشترک ہیں، وہ راہ حق میں بے خوفی و بے باکی، اعلاء کلمۃ اللہ، اطفار فتن اور دنیوی زندگی میں تحمل شدائد و مصائب مگر بصد تسلیم ورضا ہے۔ حکومتی فتنہ ہی نہیں بلکہ ہر وہ فتنہ جو مذہب، قوم، فرقہ وتمدن اور معاشرہ وسیاست کی راہ سے نمودار ہوا، ان حضرات کی نگاہِ دوربین نے ہر رنگ میں اس کے انداز قد وقامت کو پہچانا اور مخلوق کو اس سے خبردار کیا۔ فتنہ مرزائیت کو اولاً اسی خاندان نے بھانپا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دجل وفساد سے علمی طور پر ملک کو آگاہ کیا۔ جس سے لاکھوں انسان گمراہی کے اس جال سے بچ گئے۔ حتیٰ کہ اس سلسلہ کی عملی تکمیل بھی بالآخر اسی خاندان کے ہاتھوں ہوئی۔ مجلس احرار نے امیر الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ کی امارت وقیادت میں اس فتنہ کا عملی طور پر مقابلہ کیا اور اس سے زبردست ٹکر لی۔ جو ظاہر میں قادیانیت سے ٹکر تھی مگر بلحاظ حقیقت یہ ٹکر برطانیہ کی طاقتور حکومت سے تھی۔ اس لئے ان حضرات کو قید وبند کے سارے ہی تشدد آمیز مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن بالآخر سیاسی پہلوؤں سے اس جماعتِ باطل کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روک دینے بلکہ محدود کر دینے میں امیر الاحرار اور ان کے رفقاءِ کار کامیاب ہوئے، جو ایک تاریخی کارنامہ ہے اور زندۂ جاوید رہ کر جریدہ عالم پر سنہرے حروف سے بطور یادگار ثبت رہے گا۔ (رئیس الاحرارؒ)

مولانا زین العابدین شیخ التفسیر جامعہ ملیہ دہلی انڈیا:

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم کے متعلق لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان مباحث کے علاوہ دو اور موضوع تھے۔ جن پر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اکثر تبادلہ خیال فرمایا کرتے تھے۔ ایک ''ردّ قادیانیت'' اور دوسرا ''دیوبند کی تعلیمی تحریک'' قادیانیت کو مولانا دینی نہیں قطعاً ایک سیاسی تحریک سمجھتے تھے۔ مولانا کی رائے تھی کہ ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں میں انگریزوں کی مخالفت اور ان سے نفرت کا جولا وا اُبلتا رہا اور کبھی تحریک سید شہیدؒ اور کبھی انقلاب ۱۸۵۷ء اور کبھی انبالا کیس کی صورت میں نمودار ہوا، اس کو سرد کرنے کی بہترین صورت یہ تھی کہ ''قادیانی نبی'' کو مسلمانوں کا پیشواء بنا دیا جائے جس نے جہاد کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا تھا اور انگریزی حکومت کی تائید میں پچاس الماری کتابیں تصنیف کی تھیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ مسلمانانِ ہند کی توجہات بلاد عربیہ کی طرف سے ہٹ جاتی تھی اور حرمین اور بیت المقدس کی بجائے ان کی عقیدتوں کا مرکز ''قادیان'' بن جاتا تھا۔

اصل میں مولانا کے جد بزرگوار مولانا مفتی شاہ محمد صاحبؒ نے تمام علماء ہند سے پہلے ۱۸۸۴ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کے مرتد اور انگریز کے ایجنٹ ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ پھر حضرت الاستاد علامہ مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کی صحبت میں مولانا کی اس خاندانی بصیرت میں مزید چمک پیدا ہوئی آخر ''تحریک کشمیر'' میں مولانا نے قادیانیت سے جماعتی حیثیت سے ٹکر لی اور کشمیر کو قادیانیت کی آغوش میں جانے سے بچا لیا۔ (بحوالہ درحدیث دیگراں صفحہ ۱۸۱۔۱۸۲)

حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیریؒ ابن علامہ انور شاہ کشمیریؒ

''فتنہ ارتداد قادیانیت کی سرکوبی'' عنوان سے فرماتے ہیں۔

یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ ازہر الہند دار العلوم دیو بند کے فیض یافتہ علمی و دینی سیاسی و سماجی متنوع خدمات کے کسی شعبہ میں پیچھے نہیں رہتے۔ اس درس گاہ کی تربیت زندگی کو ایک ایسے رُخ پر ڈالنے کی ضامن ہے جہاں کا فاضل کبھی محدث، گاہے مفسر، داعی، امیر کارواں، مبلغ دین اور ہمہ جہت کوششوں کا امین ہوتا ہے۔ اسے مسیلمہ کذاب کے مقابل فریضہ حق ادا کرتے ہوئے شمشیر بدست بھی دیکھا جا سکتا ہے اور خانقاہوں کے گوشوں میں ہو حق کے نعروں میں مصروف بھی، وہ تبلیغ دین کے لئے کمربستہ بھی نظر آئے گا اور اس کا فیضان علم چہار سو مواج بھی دکھائی دے گا۔ ان روایات پارینہ کی امین و محافظ رئیس الاحرار کی ذات بھی تھی۔ ادھر ان کا شباب تھا اور دوسری جانب فتنہ قادیانیت کا عروج، ان کی خصوصی جماعت نے ان کی صدارت میں دین کے اس سب سے بڑے مہلک فتنہ کو محسوس کیا اور احرار کی تمام توانائیاں دین محمدی کے خلاف اس کھلی بغاوت کو کچلنے کی خاطر جمع کر دیں گئیں۔ پنجاب کے ایک ایک گوشہ میں ختم نبوت کے راگ اس پرسوز لب ولہجہ میں الاپے گئے کہ ۱۹۷۴ء میں ان کی بازگشت پاکستانی پارلیمنٹ میں سنی گئی۔ مولانا (حبیب الرحمٰن لدھیانوی ؒ) کے دادا مولانا شاہ محمد نے ۱۳۰۱ھ میں قایانیوں کے خلاف فتویٰ دیا۔

انہوں نے قادیان کی زمین پر نعرۂ حق بلند کیا اور کشمیر کے کوہساروں کی چوٹیوں تک اسے پہنچا دیا۔ مجھے یقین ہے کہ مولانا کی یہ جلیل خدمات اُن کے لئے زادِ آخرت ثابت ہوں گی اور انصاف پسند مؤرخ کا قلم مستقبل قریب میں جب ان ذروں سے قادیانیت کے خلاف جدوجہد کا آفتاب بنائے گا تو اس کی شعاعوں میں حبیب الرحمٰنؒ کے وجود کو نظرانداز نہیں کر سکے گا۔ مقدمہ بہاولپور جس میں ان کے استاد و دینی قائد علامۃ الامام حضرت مولانا السید محمد انور شاہ الکشمیری طاب ثراہ نے حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ کے فتویٰ تکفیر مرزا جو کہ ۱۳۰۱ھ میں دیا گیا تھا اور علماء دیو بند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا یعقوبؒ کے دستخطوں سے

شائع ہوا تھا کے بعد امت مرحومہ کے سامنے قادیانی فرقے کو امت سے علیحدہ کرنے کی راہ دکھائی۔ مولانا حبیب الرحمٰنؒ اور ان کے خاندان کی شرکت اس مقدمہ میں ایک حقیقت ہے۔ (بحوالہ درحدیثِ دیگراں، صفحہ ۱۱۱۔۱۱۲)

مولانا محمد انظر شاہ صاحب کشمیریؒ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

والد مرحوم کی آرزو تھی کہ پنجاب میں ایک منظّم عوامی تنظیم کا قیام عمل میں آئے جو قادیانیت کے محاذ پر سرفروشانہ کام کرے اور استخلاص وطن کے لئے بھی جدوجہد کرے۔ مجلس احرار اسلام انہی کے ایماء اور اشارہ پر قائم ہوئی اور انہوں نے اپنے مخلص اور فداکاروں اور عقیدت مندوں کو اس جماعت میں شامل ہونے اور تعاون کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔

کانگریس نے اپنی ورکنگ کمیٹی میں نمائندگی دینے کے سلسلے میں پنجاب کو بالکل نظرانداز کر دیا تو یہ مسئلہ بھی احرار کے قیام کا پس منظر بن گیا۔ انہوں (علامہ انور شاہ کاشمیریؒ) نے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے متعلق یہ سمجھا کہ اگر انہیں قادیانیت کے خلاف تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر کھڑا کر دیا گیا تو یقینی طور پر اسلام کے بہترین سپاہی اور عظیم مجاہد ثابت ہوں گے۔ انہوں نے فتنہ قادیانیت کے استیصال اور سرکوبی کے لئے یہ مشن ان حضرات کے سپرد کر دیا۔ احرار نے جو سب سے بڑی اسلام کی خدمت کی ہے وہ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کا معاملہ ہے اور یہ اتنی عظیم خدمت ہے کہ اگر احرار کے دامن میں اور کچھ بھی نہ ہو تو صرف اس محاذ پر انہوں نے جس سراپا اخلاص انداز سے جنگ لڑی وہ دوسری جماعتوں کی بہت سی خدمات پر بھاری ہے۔ خصوصاً پنجاب میں انگریز کو بہترین سپاہی اور دائمی وفادار ملتے تھے یہاں اس کے خلاف بغاوت اور انگریز دشمنی کا جذبہ صرف احرار نے پیدا کیا۔

(نقیب ختم نبوت امیر شریعت نمبر صفحہ ۳۵۱۔۳۵۲)

خاتم المحدّثین سے رئیس الاحرارؒ اور امیر شریعتؒ کا تعلق

جیسا کہ گزشتہ تفصیلات میں گزر چکا ہے اور کچھ آگے بھی آئے گا کہ رئیس الاحرار مولانا

حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ صاحب کی مذہبی سرپرستی حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے۔اس کے بارے میں علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے فرزند مولانا محمد ازہر شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

مولانا مرحوم (مولانا حبیب الرحمٰن) نے گاندھی جی کو اپنے استاذ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے ملنے پر بھی تیار فرمایا تھا،مگر گاندھی جی ۱۹۳۳ء میں گول میز کانفرنس لندن میں تھے کہ حضرت علامہؒ کا انتقال ہوگیا اور یہ تجویز سامنے نہ آسکی۔مولانا دو بڑوں کو باہم ملاتے،چھوٹوں کی علمی تہذیبی تربیت فرماتے اور ہر شخص کی مناسب مزاج کام میں لگا دینے کا ان میں ملکہ تھا۔حضرت مولانا تھانویؒ کے سیاسی مسلک سے مولانا اختلاف فرماتے تھے۔مگر گاہ بگاہ پوری نیاز مندی کے ساتھ حضرت مولانا تھانویؒ کے یہاں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو ساتھ لے کر حاضری دیتے۔شاہ صاحب بخاریؒ کی طرف حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کو متوجہ فرمانے کا سہرا بھی مولانا ہی کے سر تھا،پنجاب کے متعدد سفروں میں وہ حضرت شاہ صاحب بخاریؒ کو ساتھ لے کر حضرت مولانا انور شاہؒ کے ساتھ رہے اور بار بار شاہ صاحب بخاریؒ کو لے کر علامہ کے یہاں مقیم اور ان کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے کئی دفعہ میرے سامنے شاہ صاحب بخاریؒ سے فرمایا کہ ”ان کی (حضرت مولانا انور شاہ صاحب کی) باتیں غور سے سن لے،عمر بھر تیرے کام آئیں گی“۔

حضرت علامہ انور شاہؒ مولانا سے ان کے گھر،ان کی اولاد اور ان کے خاندان سے اس طرح مانوس تھے جیسے اپنے گھر اور خاندان سے۔یہ واقعہ ہے کہ علامہ انور شاہؒ وقار وتمکنت کے ایک کوہ گراں بار تھے ہر کہہ ومہ سے ان کا بے تکلف ہونا اور امر دشوار تھا اور نہ زندگی کے عام معاملات سے ان کا کوئی رابطہ تھا مگر مولانا سے ان کی محبت یہ تھی کہ جس زمانہ میں مولانا حبیب الرحمٰنؒ ملتان جیل میں قید تھے حضرت علامہؒ بغیر کسی اطلاع کے لدھیانہ ان کے گھر پہنچ گئے،گھر پہنچنے پر مردانہ میں جھاڑو لگی ہوئی تھی اور نہ فرش بچھا ہوا تھا،حضرت علامہؒ نے گھر میں مولانا کی اہلیہ صاحبہ مرحومہ اور ان کی بچیوں کو کہلوایا کہ جھاڑو

اور فرش بھیج دو، جھاڑوں آ گئی تو اپنے خدام سے فرمایا کہ بھائی جھاڑو دو، فرش بچھاؤ، یہ اپنا گھر ہے یہاں کسی بات کا تکلف نہیں، گھر میں کون ہے جو باہر آ کر ہمارے بیٹھنے کی جگہ بنائے گا۔ خود اپنا گھر سمجھو۔

میری نظر میں آج بھی وہ منظر محفوظ ہے کہ سن ۳۳ء میں مولانا مرحوم کے بڑے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمٰن جیل سے رہا ہوئے تو مولاناؒ انہیں لے کر دیوبند حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، آمنا سامنا ہوا تو مولاناؒ نے فرمایا کہ حضرت یہ خلیل الرحمٰن ہے، ابھی چندروز ہوئے سال بھر کی سزا جیل سے کاٹ کر آیا ہے۔ حضرت علامہؒ نے بڑی شفقت کے ساتھ خلیل الرحمٰنؒ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

(یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ صفحہ ۱۳۹۔۱۴۰)

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے چھوٹے فرزند مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ لکھتے ہیں:

انہیں (مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کو) خانوادۂ انوری کے ساتھ غیر معمولی شغف تھا۔ مجھے اپنی زندگی میں کوئی ایسا موقع یاد نہیں پڑتا کہ ان سے ملاقات ہوئی ہو اور انہوں نے خالی ہاتھ آنے دیا ہو۔ والدہ مرحومہ ایک زمانہ میں لدھیانہ کے مشہور میموریل ہسپتال میں زیر علاج تھیں۔ راقم بھی ان کے ساتھ تھا۔ اتفاقاً عید وہیں آ گئی۔ مولانا مرحوم نے جس طرح کے ملبوسات اپنے بچوں کے لئے تیار کئے اس سے زائد قیمتی اور اعلیٰ خاکسار کے لئے بھی تیار کئے اور جب اس تعلق کے اظہار کے لئے قلم حرکت کرتا ہے تو بے اختیار اپنے والد ماجد قدس سرہ علامہ کشمیریؒ کا وہ مشہور قول یاد آتا ہے:

''مجھے ہندوستان میں صرف دو ہی وفادار خاندان ملے، ایک بجنور میں مولانا مشیت اللہ صاحب (مرحوم) اور پنجاب میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کا۔ آہ کہ اب یہ دونوں تو خاک کے نیچے مصروف خواب ہیں اور ''خانوادہ انوری'' کے مخلصین کی فہرست میں ان اہم شخصیات کا فقدان ہے''۔

والد ماجد بھی مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم کے ساتھ خاص تعلق رکھتے تھے۔ مرحوم

جس زمانے میں جیل میں ہوتے اور والد ماجدؒ کا پنجاب کا سفر ہوتا تو یہ ناممکن تھا کہ لدھیانہ میں مولانا حبیب الرحمٰنؒ کے مکان پر تشریف فرما نہ ہوں۔شورش دارالعلوم کے بعد جب کشمیر سے دیوبند مراجعت فرمارہے تھے تو اس زمانے میں مولانا مرحوم ملتان سینٹرل جیل میں اسیر تھے۔والد مرحوم نے ملتان کا سفر فرمایا اور جیل ہی میں ان سے ملاقات فرمائی۔اب اخلاص ومحبت ، بزرگانہ شفقت ومودت کے یہ بلند وبالا مینار زمین کے برابر ہو چکے اوران کی تصاویر کی وساطت سے جو پسماندہ محروم قسمت حلقے کے ذہنوں میں ہے صرف اتنا سن لیتے ہیں۔

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہو جس کی حسر وغم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

(درحدیث دیگراں صفحہ ۱۲۳۔۱۲۴)

مولانا انظر شاہ کشمیریؒ اپنی ایک تقریر جو کہ انہوں نے دارِ بنی ہاشم ملتان میں کی تھی ''وہ آجکل یوٹیوب پر بھی چل رہی ہے'' میں فرماتے ہیں:

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ سے تعلق کی انتہاء یہ تھی کہ وہ جیل میں تھے کہ والد مرحوم اسی دوران لدھیانہ پہنچے۔اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے دروازے پر دستک دی اور کہا کہ بیٹھک کی چابی دیدو،تو مولانا کی اہلیہ نے چابی دیدی، والد مرحوم چابی لے کر بیٹھک کا دوروازہ کھول کر اندر تشریف لے گئے ،اور فرمایا کی جھاڑو بھی دیدو،تو اپنے ہاتھ سے جھاڑو دینا شروع کردیا، جھاڑو دے رہے تھے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ مرحوم کے اہلیہ نے یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ کون مہمان ہے اور کس طرز کا مہمان ہے، کہ آج تک کوئی ایسا مہمان نہیں آیا۔جھانک کر دیکھا تو بے قرار اور بے تاب ہوگئیں،اورعرض کیا کہ حضرت میں صاف کردوں گی ،تو حضرتؒ نے فرمایا کہ میرا ابھی تو گھر ہے۔

والد مرحوم ایک دفع رَدِّ قادیانیت کے متعلق پورے پنجاب کا سفر فرمارہے تھے ،سب سے آخر میں لدھیانہ پہنچے،تو لدھیانہ پہنچ کر فرمایا کہ اب یہاں نفرین (دو) ہو کر

بیٹھیں گے۔

(عربی میں نفر ایک فرد کو کہتے ہیں، اور نفرین کے معنی دو فردوں کے ہیں۔ یہاں پر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کا نفرین ہو کر بیٹھنے کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح دو قریبی تعلق رکھنے والے دنیاوی جھمیلوں سے جان چھڑا کر بے تکلف ہو کر بیٹھتے ہیں، اسی طرح ہم بھی بے تکلف ہو کر الگ ہو کر بیٹھے گے)

امیر شریعتؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

امیر شریعتؒ مجلس احرا کا سرمایہ بھی تھے اور کمائی بھی۔ درحقیقت جماعت احرار چند افراد کا نام تھی، ویسے تو ہر ایک ان میں انگارہ اور ہر ایک ان میں آتش بداماں تھا۔ لیکن یہ چند ایسے تھے کہ انہوں نے ایسی سیاست کی یاد تازہ کردی جو سیاست انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات میں تھی۔ اور جن کو حضور اکرم نے درجۂ کمال تک پہنچایا، یہاں تک کہ ہمارے محققین اب بھی لکھتے ہیں، اور وہ محققین بھی تسلیم کرتے ہیں جنہیں اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، ۔ یہ سیاست جس کا ایمانی فراست کے ساتھ تعلق ملتا ہے۔ یہ سیاست احرار نے پائی۔ اسی طرح وہ خطابت جس پر قومیں ناز کرتی ہیں وہ خطابت بھی احرار نے پائی ہے۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے متعلق مولانا محمد ازہر شاہ قیصر مرحوم متعلق لکھتے ہیں:

شاہ جی (سید عطا اللہ شاہ بخاری) کا تعارف ابّا جی سے مولانا حبیب الرحمٰنؒ نے کرایا تھا، وہی اس آزاد منش، رند پارسا کو گھیر گھار کر ابّا جی کے پاس لائے اور پھر مدت العمر دونوں اُن کی بارگاہ میں مقبول رہے......

شاہ جی ایک دفعہ دیوبند تشریف لائے، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ ساتھ تھے اور قیام ہمارے ہی مکان پر تھا۔ میں ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ہم جس مکان میں اب مقیم ہیں اس مکان میں بھی ابّا جی سات سال تک ہمارے ساتھ رہے، مگر اس سات سال کے عرصہ میں صرف ایک مرتبہ یہ موقع آیا کہ ابّا جی گھر کے

باوچی خانہ میں تشریف لائے، صرف ایک مرتبہ اور یہ موقع وہی تھا جب شاہ جی ہمارے مہمان تھے، ابّا جی نے باہر سے آتے ہی والدہ کو آواز دی، وہ باورچی خانہ میں تھیں، آواز کا جواب نہ دے سکیں، جلدی سے ابّا جی باورچی خانہ میں تشریف لے آئے۔ اماّں سے فرمانے لگے کہ اے سنتی ہو! آج ہمارے ایک بہت معزز مہمان آیا ہے، بہت زیادہ معزز، اس کی تواضع اور مہمانداری بہت اچھی طرح کرنی چاہئے، ابھی کسی ہمسائے کے یہاں سے ایک دو مرغ منگواؤ اس کا شوربا پکالو، چاول پکاؤ، کوئی میٹھی چیز بھی پکالو۔ شام کو بڑے سلیقہ اور فراغت سے مہمان کو کھانا کھلاؤ۔ (یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ صفحہ ۶۵۔۶۶)

مجلس احرار اسلام کا قیام اور اس کی صدارت

گزشتہ شماروں میں جب سے رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور آل انڈیا مجلس احرار اسلام ہند کے متعلق ہندوستان میں تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت کا تذکرہ شروع ہوا ہے، اس وقت سے کئی کرم فرماؤں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ نئی نسل کو مجلس احرار اسلام کے تاریخی وتحریکی کردار کے متعلق بہت کم علم ہے، اور خصوصاً رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے متعلق تو نئی نسل کو بالکل ہی نہیں بتایا گیا۔ آپ ہی کے ''ماہنامہ ملیہ'' سے کچھ معلوم ہوا ہے۔ ان کے متعلق تفصیل کے ساتھ لکھا جائے، تاکہ موجود نسل کو بھی صحیح آگاہی ہو سکے۔

تو اس کے متعلق عرض ہے کہ مجلس احرار اسلام کی تحریک ختم نبوت میں خدمات کا تذکرہ شروع ہو چکا ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ کوئی پہلو اوجھل نہ رہ جائے۔ البتہ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے متعلق عرض ہے کہ اس موضوع میں ان کا تذکرہ اکثر آتا رہے گا۔ ان کے حالات زندگی پڑھنے کے لئے ان پر لکھی گئی کتاب ''رئیس الاحرار'' کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۰ء کے درمیان ہندوستان کی سیاست میں ایسے حالات پیش آئے جس کی وجہ سے پورے ہندوستان میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انگریزی حکومت کا جو دبدبہ اس سے پہلے تھا اس میں کمی آ گئی۔ آزادی پسند لوگوں میں جرأت اور بے باکی نے انگڑائی لی۔ اس میں بنیادی کردار تحریک خلافت کا تھا۔ چونکہ تحریک خلافت میں مسلمان، ہندو اور دیگر

تمام مذہبی اقلیتیں بھی اس میں شامل تھیں، اس لئے انگریز نے کچھ ایسے اقدامات کیئے کہ جس سے نہ صرف مسلمانوں اور ہندوؤں میں خلیج حائل ہو جائے بلکہ مسلمان بھی آپس میں ٹکرا جائیں۔ اسی طرح قصہ خوانی بازار پشاور میں سرخ پوشوں پر فائرنگ کر کے سینکڑوں سرخپوشوں کو خون میں نہلا دیا گیا۔ اسی دور میں ایک ہندو ناشر راجپال نے ''رنگیلا رسول'' کے نام پر کتاب شائع کر کے ہندوستان کے مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کر دیا، جس سے پورے ہندوستان میں آگ لگ گئی۔ اس کے نتیجے میں غازی علم الدّین شہیدؒ نے راجپال کو جہنم رسید کر دیا۔ (اس کی تفصیل گزشتہ شماروں میں آچکی ہے)۔ نیز یہ کہ قادیانیوں کو مسلمانوں کے کوٹے سے گورنمنٹ کی ملازمتوں میں فوقیت دی جانے لگی۔ اسی طرح سب سے بڑا مسئلہ یہ پیدا ہو گیا کہ آل انڈیا نیشنل کانگریس، جس میں کہ اس وقت مسلمان، ہندو اور دیگر تمام مذاہب کے لوگ شامل تھے، اس میں کچھ کٹر ہندو ذہنیت کے لوگ آگئے تھے جو کہ مسلمانوں کو کانگریس سے علیحدہ کرنا چاہتے تھے۔ ایسے حالات میں ضروری ہو گیا تھا کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت قائم کی جائے جس کی وجہ سے مسلمانوں کا نہ صرف ایمان محفوظ ہو جائے بلکہ سیاسی سطح پر بھی مسلمانوں کی الگ شناخت ہو۔ ہم نے پہلے ذکر کیا تھا کہ ہندوستان میں اس سے پہلے بھی مسلمانوں کی دو سیاسی جماعتیں موجود تھیں۔ ایک جمعیۃ علماء ہند، دوسری آل انڈیا مسلم لیگ۔ جمعیۃ علماء ہند نے ہندوستان کے تمام علماء کو تو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر لیا جو کہ بظاہر ایک ناممکن کام تھا، مگر عوام میں اس کو پذیرائی وہ نہ ملی جس کی وہ مستحق تھی۔ مسلم لیگ کی جماعت میں تمام وہ لوگ تھے جو کہ انگریز سے مراعات یافتہ تھے، انگریزی حکومت کے کارپرداز بھی تھے، اس کے ٹاؤٹ، اس سے خطابات یافتہ، مسلمانوں کی جاسوسی کرنے کے بدلے انعام کے طور پر جاگیریں حاصل کرنے والے، صرف اور صرف ٹیبل ٹاک کرنے والے افراد تھے۔

چنانچہ لاہور میں ۲۹ / دسمبر ۱۹۲۹ء کو حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی خواہش اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کے مشورے سے ''مجلس احرار اسلام ہند'' کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی گئی۔ مجلس مشاورت میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، چودھری افضل حق صاحب مرحوم، مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا مظہر علی اظہر صاحبؒ، خواجہ عبدالرحمٰن غازی مرحوم شریک ہوئے۔ ابھی باقاعدہ تشکیل کا موقع نہ آیا تھا کہ کانگریس کی

طرف سے عام سول نافرمانی کا آغاز ہو گیا تھا، اس لئے سب حضرات احرار کے تنظیمی کام کو درمیان میں چھوڑ کر کانگریس کی تحریک میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ احرار کے تمام اکابر گرفتار ہو گئے۔ پھر گاندھی اور ’’لارڈ اِرْوِن‘‘ معاہدے کے تحت رہا ہوئے۔

رئیس الاحرارؒ ۲۳؍ اپریل ۱۹۳۰ء کو گرفتار ہوئے مگر ان کے سواء ہندوستان کے تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے گئے، انگریز انتظامیہ نے ان کو گاندھی اِروِن پیکٹ کے معاہدے کے تحت رہا کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ رئیس الاحرارؒ کی رہائی کے لئے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبران بشمول حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ، ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم، نے کوشش کی کہ رئیس الاحرارؒ کو بھی اس میثاق کے تحت رہا کر دیا جائے۔ ان حضرات نے گاندھی جی پر بہت زور ڈالا۔ بقول حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ وائسرائے نے پنجاب حکومت کی اس رپورٹ پر کہ ’’مولانا حبیب الرحمٰن کی تقریر تشدد آمیز، پُر جوش ہوتی ہے‘‘ رئیس الاحرارؒ کو چھوڑنے سے انکار کر دیا اور گاندھی جی سے یہ کہا کہ ’’مولانا حبیب الرحمٰن کے منہ سے خون کی بو آتی ہے‘‘ چنانچہ گاندھی جی بھی اس بارے میں خاموش ہو گئے۔ بالآخر رئیس الاحرارؒ مئی ۱۹۳۱ء کے آخر میں اپنی سزا پوری کر کے رہا ہوئے۔

احرار رہنماؤں نے رہا ہوتے ہی سب سے پہلے رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کو باقاعدہ طور پر مجلس احرار اسلام ہند کا صدر منتخب کر لیا۔ رئیس الاحرارؒ نے صدارت سنبھالتے ہی نہ صرف پنجاب بلکہ پورے ہندوستان میں مجلس احرار کے اضلاعی اور شہری دفاتر قائم کرنا شروع کر دیئے۔ اور پھر انہی دنوں ۱۱؍ جولائی ۱۹۳۱ء کو مجلس احرار اسلام کا پہلا ایک عظیم الشان عوامی اجتماع لاہور موچی دروازے کے میدان میں منعقد ہوا، جو کہ مجلس احرار اسلام کی طرف سے عوامی رابطہ مہم کا پہلا قدم تھا، جس سے مجلس احرار اسلام کا عوام میں تعارف ہوا۔ اس میں رئیس الاحرارؒ نے مجلس احرار اسلام کے قیام کا پہلا پالیسی خطبہ دیا۔

رئیس الاحرارؒ کا لاہور میں تاریخی استقبال

کسی بھی جماعت کے قیام کے بعد عوام الناس سے جب رابطہ کیا جاتا ہے تو ضروری ہوتا ہے کہ ان کو بتایا اور دکھایا جائے کہ یہ جو جماعت ہم نے بنائی ہے اس کا صدر کون ہے اور اس کی پالیسی کیا

ہے۔ چنانچہ اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے صدر کو عوام الناس کے سامنے لایا جائے اور اس کی پالیسی بھی اُسی صدر کی زبان سے قوم کو سنائی جائے۔ مجلس احرار اسلام نے اس کام کے لئے باقاعدہ ایک منصوبہ تشکیل دیا اور امیر شریعت سید عطاء اللہ صاحب بخاریؒ نے مجلس احرار کے ترجمان کے حیثیت سے موچی دروازے کے جلسۂ عام میں مجلس احرار اسلام کے پہلے صدر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی تشریف لانے کا علان فرمایا اور تمام لوگوں کو ان کا استقبال کرنے کی تلقین کی۔

اس کے متعلق مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک تحریر میں فرماتے ہیں:

> حافظے پر زور ڈالنے سے یاد آتا ہے کہ (مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ) کی سب سے پہلی زیارت ۲۹ء یا ۳۰ء کو لاہور کے ایک جلسہ عام میں ہوئی تھی جو مجلس احرار کے زیر اہتمام بیرون دہلی دروازہ یا موچی دروازہ منعقد ہوا تھا، غالباً مجلس احرار کی بنیاد بھی اس وقت نئی نئی پڑی تھی۔ پہلے روز جلسے میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریر ہوئی، انہوں نے حاضرین جلسہ کو جو ہزاروں کی تعداد میں تھے، یہ مژدہ سنایا کہ کل فلاں گاڑی سے صدر مجلس احرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی آرہے ہیں، آپ لوگ اسٹیشن پر ان کا استقبال کریں۔ (در حدیث دیگراں)

چنانچہ رئیس الاحرارؒ کا لاہور میں پرُ جوش استقبال کیا گیا، جو کہ اس وقت کے لحاظ سے ایک بہت بڑا استقبال تھا۔ اس پر جانباز مرزا اپنی کتاب ''کاروان احرار'' میں لکھتے ہیں:

> ۱۰ جولائی ۱۹۳۱ء کا دن برصغیر کی سیاسی تاریخ میں اہم ترین دن تھا، جب مولانا حبیب الرحمٰن پہلی پولیٹیکل احرار کانفرنس کی صدارت کے لئے لاہور اسٹیشن پر پہنچے۔ کانگریس اور انگریز دشمنی کے جذبات سے اہل لاہور نے اپنے رہنما کا استقبال کیا۔ گلیاں اور بازار اُجلے اور خوبصورت طریق پر سجائے گئے۔ عوام کے ہجوم میں مولانا حبیب الرحمٰن کی کار کو کئی بار پھولوں سے خالی کرنا پڑا۔

رئیس الاحرارؒ کا پہلا خطبۂ صدارت

۱۱/جولائی ۱۹۳۱ء کو رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ جب صدارتی خطبہ کے لئے تشریف لائے تو احرار ورکنگ کمیٹی نے ان کا پُر تپاک استقبال کیا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد مفکر احرار چوہدری افضل حق مرحوم نے رئیس الاحرارؒ کی صدارت کی تحریک پیش کی۔ اس کی تائید امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے کی۔ اس کے بعد رئیس الاحرارؒ کرسی صدارت پر بیٹھے۔ مولانا مظہر علی اظہر نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ اس کے بعد رئیس الاحرارؒ نے اپنا پہلا خطبۂ صدارت دیا، جس میں مجلس احرار اسلام کے قیام اور اس اور اس کا نظام کو وضح کیا۔

انہوں نے فرمایا:

معزز حضرات و خواتین اقوام ہند کی موجودہ سیاسی کشمکش جس نازک مرحلے پر اس وقت پہنچ چکی ہے اس سے پہلے شاید کبھی نہ پہنچی ہو۔ ملک کے بڑے بڑے مدبر حالات کو سلجھانے اور درست کرنے میں اپنے آپ کو ناکام پاتے ہیں۔ جنگ آزادی کے التوا کے بعد ہندوستان کی ہر قوم اپنے مفاد کے لئے ہر قسم کی ظاہری و باطنی کوشش کر رہی ہے۔ البتہ مسلمان ایسی قوم ہے جو سیاسیات ملک سے بالکل غافل ہے ان کی اکثریت کو یہ معلوم ہی نہیں کہ ہندوستان میں آج کیا ہو رہا ہے اور آئندہ حالات میں کیا ہونے والا ہے۔

احرار کانفرنس کی ضرورت کیوں ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عارضی صلح کے بعد جبکہ نیا آئین و قانون ہندوستان کے لئے کانگریس انگریزی حکومت کے ساتھ مل کر تیار کر رہی ہے اس وقت ہندوستان کی ہر قوم کی یہ کوشش ہے کہ وہ اس آئین میں بہترین سے بہترین مقاصد حاصل کرے۔

(۱): ۔ ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ لکھنؤ میں منظور کی گئی۔ احرار رہنماؤں نے اس شرط پر دستخط کئے کہ ہر بالغ کو اگر حق رائے دہندگی دیا جائے تو وہ دس سال کے لئے مخلوط انتخاب منظور کرتے ہیں۔ اس معاہدے پر سکھوں اور ہندوؤں نے بھی دستخط کئے تھے مگر

سکھوں نے تو لکھنؤ سے ہی دستخط کرنے کے بعد اس معاہدے کی خلاف ورزی کی ۔انہوں نے آتے ہی نہرو رپورٹ کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ ہندوؤں نے سکھوں کی پیٹھ ٹھونکی، گویا عملی طور پر ہندوؤں اور سکھوں نے نہرو رپورٹ کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ مگر احرار اپنے ہی ہم مذہب مسلمانوں کا جو نہرو رپورٹ کے خلاف تھے پورا مقابلہ کرتے رہے۔ احرار رہنماؤں نے ۳۱؍دسمبر ۱۹۲۹ء کی آخری شب تک اس بات کی کوشش کی کہ نہرو رپورٹ کا معاہدہ مسلمان تسلیم کرلیں۔ چونکہ مہاتما گاندھی کے نزدیک نہرو رپورٹ میں سکھوں کے ساتھ ناانصافی ہوئی تھی، اس لئے انہوں نے ۱۹۲۹ء کی شب کو نہرو رپورٹ کو دریائے راوی میں غرق کر دیا۔

(۲):۔ جس وقت مہاتما گاندھی نے مکمل آزادی کا ریزولیشن لاہور کانگریس میں پیش کیا تھا تو میں نے سبجیکٹ کمیٹی میں یہ کہہ دیا تھا کہ آپ اس ریزولیشن کے باوجود بھی ڈومینین سٹیٹس لے کر صلح کے لئے تیار ہوجائیں گے۔

(۳):۔ میں ہندوستان کی تمام اقوام کو کھلے الفاظ میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ جماعت احرار کسی قوم کے ساتھ بے انصافی نہیں چاہتی، مگر اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں وہ اچھوت بن کر رہنے کے لئے تیار نہیں۔ مسلمان ہندوستان میں برابر کے حقدار ہیں وہ ہندوستان کی حکومت میں برابر کے حصہ دار ہوکر رہیں گے۔

(۴):۔ ہندو پریس کے نزدیک ہر مسلمان اس لئے فرقہ پرست ہے کہ وہ مسلمان ہے، اگرچہ اس نے ملک اور قوم کے لئے زبردست قربانیاں دی ہیں۔ لیکن جہاں اس نے کسی مسلمان پر ظلم ہوتے دیکھ کر اس کی امداد کی، اسی وقت اسے فرقہ پرست کا خطاب مل گیا۔

(۵):۔ کوئی مسلمان تمام عمر کانگریس کا وفادار رہے مگر وہ کسی ایک ہندو کی شخصی رائے کی مخالفت کرے تو وہ فرقہ پرست ہے۔ اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ نہ میں قوم پرست ہوں نہ فرقہ پرست، صرف مسلمان ہوں۔ میں نے آج تک اپنے ملک اور قوم سے کبھی غداری نہیں کی۔ ہندو پریس میں اگر آج بھی تھوڑا سا انصاف کا جذبہ آجائے تو میں یقین کرتا ہوں کہ تمام جھگڑے آج ہی ختم ہوجائیں۔

(۶):۔ ہندوستان میں مسلمان دو سیاسی جماعتوں میں تقسیم ہیں۔ایک وہ ہیں جو کانگریس سے مل کر کام کر رہے ہیں اور دیانتداری سے یہ سمجھتے ہیں کہ ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا ہی مسلمانوں کی عزت و آبرو کا باعث ہے۔ مسلمان تب ہی زندہ رہ سکتے ہیں کہ جنگ آزادی میں ہر قوم سے بڑھ کر حصہ لیں۔ غیر کانگریسی مسلمانوں کے سامنے سوائے ہندوؤں کو ملامت کرنے ، انہیں بُرا بھلا کہنے ،انگریز اور ہندوؤں سے ہمیشہ مسلمانوں کو ڈرانے کے سوا کوئی پروگرام نہیں۔ میری خواہش ہے کہ پنجاب کے مسلمان اس کثرت سے کانگریس میں حصہ لیں کہ دوسروں کو کانگریس میں جگہ نہ مل سکے۔ ہندو کہتا یہ ہے کہ مسلمان کانگریس میں آئیں اور چاہتا یہ ہے کہ نہ آئیں۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ مسلمان اگر کانگریس میں آئے تو ان کی پولٹیکل طاقت بڑھ جائے گی اور ہندوؤں کی قوم پرستی کا راز ان پر کھل جائے گا ۔ابھی تک کانگریس کے دفتروں میں مسلمانوں کو اچھوت سمجھنے والے ہندو موجود ہیں۔

(۷):۔ جنگ آزادی شروع کرنے سے پہلے کانگریس کے جلیل القدر رہنماؤں نے نہرو رپورٹ کو مسترد کرتے ہوئے مسلمانوں کو یہ یقین دلایا تھا کہ آئندہ کوئی نظام حکومت منظور نہیں کیا جائے گا جس میں آزاد خیال مسلمانوں کی رضامندی حاصل نہ ہوگی۔ مسلمان ہندوستان کی جنگ آزادی میں شریک ہوئے اور آزادی ہند کے لئے جس قدر خون بہایا وہ ہندوستان کی کسی قوم کے حصہ میں نہیں آیا ۔لیکن جنگ آزادی کے ختم ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو یہ صلہ دیا گیا کہ نہرو رپورٹ سے بھی بدتر قرارداد منظور کی گئی۔

(۸):۔ عارضی صلح سے ملک کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔ میں چونکہ کانگریس کا پرانا وفادار سپاہی ہوں اس لئے بلا شک وشبہ کہتا ہوں کہ اگر آج ہمارے ہاتھ عارضی صلح سے بندھے نہ ہوتے تو کانگریس غریبوں کو ساتھ لے کر آزادی کے دروازے میں داخل ہوگئی ہوتی۔ ملک میں فرقہ وارانہ کشمکش کا وجود بھی نہ ہوتا۔ میرے نزدیک اس وقت راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں جانا بالکل بے سود ہے۔

(۹):۔ ہندوستان کی تمام مشکلات کا حل صرف ایک ہے کہ ہندوستان کے

کسانوں مزدوروں کی تنظیم کی جائے اور بجائے ایک سرمایہ دار حکومت کے غریبوں کی حکومت قائم ہو۔اگر چہ میں کانگریسی ہوں اور ہمیشہ کانگریس کے جھنڈے تلے کام کیا ہے، مجھے یہ کہنے میں پس وپیش نہیں ہے کہ کانگریس کی محنت وقربانی کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ ہندوستان کی حکومت انگریز سے نکل کر سرمایہ داروں کے ہاتھ میں چلی جائے۔اس کا حل یہ ہے کہ مزدور اور کسان پوری طاقت سے کانگریس پر قبضہ کر لیں اور کانگریس سے تمام سرمایہ دار عناصر کو ہمیشہ کے لئے نکال دیا جائے۔کانگریس نے مکمل آزادی کا جو ریزولیشن لاہور میں منظور کیا تھا اس کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

(۱۰):۔آخری بات جو کہ سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ کہ مجلس احرار اسلام کے قیام کا مقصد حرمت رسول ﷺ اور عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت ہے۔کانگریس جیسی مختلف الخیال لوگوں کی جماعت میں رہ کر اس تشخص کو اُجاگر نہیں کیا جاسکتا۔مسلمان کے لئے حرمت رسول ﷺ اور عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت کے لئے مر مٹنا ہی عین نجات ہے۔جس کا نظارہ غازی علم الدّین کی خونچکاں شہادت میں کیا جاسکتا ہے۔اس وقت مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والے اسلام کا نام لے کر مسلمان ہونے کی آڑ میں ماڈریٹ مسلمانوں کو اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلا چکے ہیں۔اور کئی مخلص مسلمان بھی ان کے اس جھانسے میں آچکے ہیں۔میرے دادا نے مرزا غلام احمد قادیانی کو دیکھ کر ہی اس پر کفر کا فتویٰ دیدیا تھا۔اس لئے ضروری ہے کہ ایسے زہریلے عقائد رکھنے والوں کا محاسبہ کیا جائے،تا کہ ہمارے مسلمان ان کے اس زہریلے اثرات سے محفوظ ہوسکیں۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں کوئی قوم اقلیت واکثریت کی وجہ سے نہ زندہ رہتی ہے اور نہ مرتی ہے۔دنیا میں صرف وہی قوم زندہ رہتی ہے جس کے افراد نیک نیت بہادر،صاحب عقل اور صاحب ایثار ہوں۔مجھے یہ سن کر بے حد تکلیف ہوتی ہے جب کوئی مسلمان کہتا ہے کہ ہم اس لئے کمزور ہیں کہ ہم ہندوستان میں اقلیت میں ہیں۔اٹھو! اپنے اندر زندگی پیدا کرو اور ہندوستان کی غلامی کی زنجیروں کو کاٹ دو۔جس قوم کے ہاتھ سے ہندوستان کو آزادی نصیب ہوگی وہی سر بلند ہو کر رہے گی۔

حبیب الرحمٰن لدھیانوی،صدر مجلس احرار اسلام ہند (جاری ہے)

حضرت مولانا محمد اسحاق قادریؒ کے فرزند اور مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر دامت برکاتھم کے بھائی

مولانا حاجی انیس الرحمٰن قریشی کی رحلت

از مولانا محمد زاہد الرشدی صاحب

محترم المقام حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے مزج بخیر ہونگے۔ ماہنامہ ملیہ کی صورت میں ہر ماہ ملاقات کا شرف حاصل ہوتا ہے یہ جناب کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔ عرصہ سے آپکی زیارت نہیں ہوسکی۔ معمولات اور پاکستان موجودگی سے بے خبر ہوں۔ آپ کے اداریے پڑھ کر دل چاہتا ہے کہ ان کی کثیر تعداد میں اشاعت ہوتا کہ نئے آنے مولویوں کی پود کو معلومات حاصل ہوں۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ ہمارے فارغ التحصیل ہونے والے علماء بھی اپنے بڑوں کے کارناموں سے بے خبر ہیں اور اپنے بڑوں کی سوانح نہیں پڑھتے۔ شاید مبالغہ نہ ہو حضور اکرم ﷺ کی سیرت وسوانح بھی نہیں پڑھتے۔ میرے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ احادیثِ حضور اکرم ﷺ آپ کی سیرت وسوانح ہی تو ہے۔

بہر حال اکتوبر 213ء کا۔ مدارس دینیہ کی اہمیت والی واتحاد امت کانفرنس میں آنجناب کا بیان کلمۃ الحبیب کی صورت میں پڑھا دل باغ باغ ہوگیا اللہ تعالیٰ آپ کو تمام شرور وفتن اور ابتلاؤں سے محفوظ فرمائے آمین۔ 29 اگست 2013 کو میرے بڑے بھائی حافظ قاری مولوی انیس الرحمٰن اطہر کا قضائے الٰہی سے انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ روزنامہ اسلام اور روزنامہ پاکستان میں حضرت شیخ مکرم مفکر اسلام حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ کا ایک کالم چھپا تھا

اس کی فوٹوسٹیٹ بھیج رہا ہوں اگر ممکن ہو تو ماہنامہ میں شائع کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے بھی کوئی شذرہ لکھنے کی شفقت فرماویں۔ دعاؤں کا محتاج دعا گو بھی ہے۔

قاری جمیل الرحمٰن اختر

جواب از مدیر

آپ کی توجہ کا اور رسالہ کو پسندیدگی کا بہت شکریہ، جزاکم اللہ خیر، اور آپ کے بھائی کا بہت ہی افسوس ہوا اور دلی دکھ ہے، اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل دے، مولانا کا تعزیتی مضمون شائع کیا جا رہا ہے، میری طرف سے بھی یہی تعزیت ہے، والسلام

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے جب 1817ء میں لاہور میں رہائش اختیار کی تو ان کی حیثیت ایک نظر بند کی تھی کیونکہ تحریک آزادی کے نامور راہنما شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی کا شاگرد اور مفکر انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا تربیت یافتہ عالم دین اور رفیق کار ہونے کی وجہ سے انہیں اس ضمانت پر لاہور کی حدود میں پابند کر دیا گیا تھا کہ وہ انگریز سرکار کے خلاف سرگرمیوں میں شریک نہیں ہوں گے۔

ویسے بھی تحریک ریشمی رومال کی خفیہ تگ ودو کا راز کھل جانے کے باعث وقتی طور پر ایسی سرگرمیوں کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا

چنانچہ حضرت مولانا لاہوریؒ نے اپنا رخ تعلیمی جدوجہد کی طرف موڑ لیا اور شیرانوالہ گیٹ کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد میں قرآن کریم کا درس دینا شروع کیا جو ان کی نئی علمی وفکری محنت کا آغاز تھا ، پھر وہ 1962ء تک اسی راستے پر چلتے ہوئے اپنے مالک حقیقی کے حضور پیش ہو گئے۔

حضرت لاہوریؒ کا یہ درس قرآن کریم عوام کے لیے ہوتا تھا لیکن وہ علماء کرام اور جدید تعلیم

یافتہ حضرات کے لیے ان کی سطح پر بھی درس قرآن کریم کا اہتمام کرتے تھے اور اس کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ وفکر خاص طور پر ان کی معرکۃ الآرا کتاب ’’حجۃ اللہ البالغۃ‘‘ کی تعلیم وتدریس بھی ان کے اس مشن کا حصہ تھا۔

ان سے اس دوران قدیم وجدید طبقات سے تعلق رکھنے والے ہزاروں ارباب علم نے استفادہ کیا جن میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، علامہ علاء الدین صدیقی اور ڈاکٹر سید محمد عبد اللہؒ جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔

قرآن فہمی میں ان کا طرز حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی طرح حالات زمانہ پر قرآن کریم کی آیات واحکام کی تطبیق کا تھا اور وہ دورِ حاضر کی اصطلاحات وماحول کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کی تفسیر وتشریح کے ساتھ ساتھ عقلی ومنطقی تعبیرات وتاویلات بھی پیش کرتے تھے جس پر ابتداء میں بعض اہل علم کی طرف سے تحفظات کا اظہار کیا جاتا رہا،

لیکن دھیرے دھیرے دینی حلقے اس طرز سے مانوس ہوتے چلے گئے اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضرت لاہوریؒ کا یہ حلقہ درس جنوبی ایشیا کی سطح پر فہم قرآن کریم کے بڑے مراکز میں شمار ہونے لگا۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی وفات کے بعد اس سلسلۂ درس کو تادیر قائم رکھنے میں ان کے جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ کے ساتھ جن علمائے کرام نے مسلسل محنت کی ان میں حضرت مولانا محمد اسحاق قادریؒ اور حضرت مولانا حمید الرحمٰن عباسیؒ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد اسحاق قادریؒ دار العلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد تھے، جبکہ میرے والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ اور عم مکرم حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتیؒ کے ساتھ دورۂ حدیث میں ہم سبق تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں سالہا سال رہ کر ان سے قرآن فہمی کا یہ ذوق سیکھا اور پھر ان کے جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ کی معاونت میں اپنے شیخ کی مسند پر بیٹھ کر سالہا سال تک اس سلسلۂ درس کو

جاری رکھا۔ ان کا زندگی بھر کا معمول رہا کہ وہ بائیسکل پر لاہور کے مختلف علاقوں میں جاتے اور کئی مقامات پر ہفتہ وار درس دیتے۔

وہ ایک دور میں جمعیت علمائے اسلام ضلع لاہور کے امیر رہے ہیں اور دینی تحریکات میں سرگرم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ وہ اللہ اللہ کرنے والے بزرگ تھے اور ذکر الٰہی کے حلقے سجا کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مگن رکھتے تھے۔

باغبان پورہ لاہور کی جامع مسجد امن اور جی ٹی روڈ پر واہگہ بارڈر سے چند میل پہلے چوک یادگار شہداء کا دینی مدرسہ جامعہ حنیفہ قادریہ ان کی یادگار اور صدقہ جاریہ ہیں، جن کی تولیت وانتظام کی ذمہ داری ان کے فرزند مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر (فاضل نصرۃ العلوم) سرانجام دے رہے ہیں اور اپنے والد محترم کے سلسلۂ خیر کو جاری رکھنے بلکہ بڑھانے میں مصروف ہیں جبکہ پاکستان شریعت کونسل میں ڈپٹی سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے میرے معاون ہیں۔

ان کے بڑے بھائی اور حضرت مولانا محمد اسحاق قادریؒ کے فرزند مولانا حاجی انیس الرحمٰن اظہر قریشی کا گزشتہ دنوں ہے...... انا للہ وانا الیہ راجعون...... انہی کے تذکرہ وتعزیت کی غرض سے یہ سطور تحریر کررہا ہوں۔ مولانا حاجی انیس الرحمٰن اظہر قریشی جامعہ مدنیہ لاھور کے فاضل اور حضرت مولانا سید حامد میاں کے شاگرد تھے، زندگی بھر اپنے والد مرحوم کے مشن کے فروغ میں مصروف رہے، اور اپنے بھائی قاری جمیل الرحمٰن اختر کے دست وبازو اور پشتبان رہے، انہیں اللہ تعالیٰ نے کم وبیش چودہ برس مدینہ منورہ کے قیام کے شرف سے نوازا، اس دوران میں بھی کئی مرتبہ ان کا مہمان رہا، گذشتہ کچھ عرصہ سے مدنی مسجد میں امامت وخطابت کے ساتھ مدرسۃ السکینۃ للبنات کا انتظام چلا رہے تھے کتابوں کا کاروبار بھی کرتے تھے۔

جمعیت علمائے اسلام اور پاکستان شریعت کونسل کے ساتھ دینی تحریکات میں شریک رہتے تھے، اور لاہور کے سرگرم علماء میں شمار ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ علالت کے بعد کم بیش چھپن برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازیں۔

کون سی شریعت؟ جواب حاضر ہے

کس سے منصفی چاہیں......انصار عباسی

شور مچایا جارہا ہے کہ شریعت کون سی؟ اسلامی نظام کس فرقہ کا؟ طعنے دیے جارہے ہیں کہ پہلے ایک مسجد اور ایک نماز پر تو متفق ہو جاؤ پھر شریعت کی بات کرنا۔ مقصد صرف ایک ہے کہ اس ملک میں اسلامی نظام کسی بھی صورت میں لاگو نہیں ہونا چاہیے۔

تکلیف دراصل ہے ہی اسلامی نظام سے اور شریعت سے۔ چاہتے ہیں کہ بس آئین تک ہی اسلامی نظام محدود رہے۔ کوشش ہے کہ جس طرح پاکستان کی عوام سے گزشتہ 67 سال اسلام کے نام پر دھوکہ ہوتا رہا آئندہ بھی ایسا ہوتا رہے۔

سازشیں کی جارہی ہیں کہ عملی طور پر ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کو ایک سیکولر ریاست بنا دیا جائے۔ فرقہ واریت بلاشبہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ بالکل درست ہے کہ فرقوں کی بنیاد پر ہم نے اللہ کے گھر (مسجدوں) کو تقسیم کر دیا۔

مگر طعنہ بازی کرنے والوں کی شرارت انشاء اللہ کامیاب نہیں ہوگی ''شریعت کون سی'' جیسے سوال اٹھانے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ مجھے کوئی فرقہ تو بتائیں جو شراب کو جائز سمجھتا ہو؟؟

شراب پر انشاء اللہ اس اسلامی ملک میں صحیح معنوں میں مکمل پابندی لگے گی اور ہم اسی شریعت کی بات کرتے ہیں۔ سود اسلام میں حرام ہے۔ اس لعنت کا ہمارے ملک میں خاتمہ ہونا چاہیے اور یہی ہماری شریعت ہے۔ مجھے اُس فرقہ کا نام تو بتائیں جو اس لعنت کو جائز سمجھتا ہو؟؟

فحاشی و عریانیت اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اور اسے ہمارے دین میں شیطانیت سے منسوب کیا گیا ہے۔ فحاشی و عریانیت کا خاتمہ اسلامی شریعت کا حکم ہے۔ طعنہ ساز ایسے کسی فرقہ کا پتہ تو

بتائیں جو فحاشی وعریانیت کے حق میں ہو؟ زنا گناہ کبیرہ ہے۔

مغربی معاشرہ کی طرح کسی بھی اسلامی معاشرہ میں ایک مرد اور ایک عورت کو بغیر شادی کے ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کا کوئی حق نہیں بلکہ اسے سختی سے روکنے کا حکم دیا گیا اور اس کی سزا بھی متعین ہے۔ پاکستان میں ریسٹ ہاؤسز، مساج سینٹرز، بڑے بڑے ہوٹلوں وغیرہ میں زنا کا دھندا کھلے عام کیا جاتا ہے جو شریعت کے خلاف ہے۔

اسلامی شریعت کے مخالفین کسی ایسے فرقہ کی نشاندہی کر دیں جو زنا اور اس کے فروغ کے لیے بنائے گئے جدید ''کوٹھوں'' کو جائز سمجھتے ہوں؟؟

اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ نے مرد اور عورت کے لیے شرم وحیا کی حدیں مقرر کر دیں۔ عورت کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں ایک ڈریس کوڈ مقرر کر دیا ہے۔ عورت کو پردہ کر کے باہر نکلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں جاننا چاہوں گا کہ کوئی ایسا فرقہ ہے جو عورت کو بے پردگی اور مغربی طرز کے لباس زیب تن کر کے ایک اسلامی معاشرہ میں باہر نکلنے کے حق میں ہو؟ یہاں بھی شریعت سب کی ایک ہے۔ اگر اختلاف ہے تو صرف اتنا کہ عورت اپنا چہرہ ظاہر کر سکتی ہے یا نہیں۔

جوا ہو یا قمار بازی وہ کسی بھی شکل میں شریعت میں جائز نہیں اور اس مسئلہ پر بھی تمام فرقے متفق ہیں تو پھر کس کی شریعت کا کیا سوال؟؟ مخلوط نظام تعلیم مغرب کی میراث ہے اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں مگر افسوس کہ ہم نے مغرب کی نقالی میں ہر جائز و ناجائز کو اپنا لیا۔ تعلیم مرد اور عورت دونوں کا حق ہے مگر ایک اسلامی ملک میں دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ تعلیمی ادارے ہونے چاہئیں۔ اس شریعت پر بھی کسی میں کوئی اختلاف نہیں۔

اسلامی شریعت ایک اسلامی ریاست پر ذمہ داری عائد کرتی ہے کہ تمام فیصلے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے قانون کے مطابق ہوں۔ مختلف جرائم کی صورت میں شریعت میں اسلامی حدود (اسلامی سزاؤں) کا بھی تعین کیا جا چکا ہے جنہیں تبدیل کرنے کا کسی انسان، کسی حکومت، کسی پارلیمنٹ کو کوئی

حق حاصل نہیں اور یہی شریعت ہے جس پر تمام مکاتب فکر اور فرقے متفق ہیں۔ کیا سعودی عرب اور ایران میں فرقہ کی بنیاد پر اختلافات کے باوجود اسلامی سزائیں نہیں دی جاتیں۔ کیا ان دونوں ممالک میں عورت کے لیے پردہ لازم نہیں؟؟؟

ہم بھی اسی شریعت کی بات کرتے ہیں جس کے تحت اسلامی سزاؤں اور اسلامی شعائر کو رواج دیا جاسکے اور یہی پاکستان کے آئین کا وعدہ بھی ہے۔

فروعی اختلافات کی بنیاد پر مسلمانوں کی تقسیم کا فائدہ اٹھا کر شریعت کے نفاذ کی مخالفت کرنے والوں اور اس ملک میں سیکولر اور مغربی تعلیم نظام کو پھیلانے والوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان میں کوئی فرقہ ایسا نہیں جو ہمارے تعلیمی نظام میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن کو ترجمہ (اور جہاں ضروری ہو تفسیر کے ساتھ) اور نبی ﷺ کی زندگی کو پڑھانے کے خلاف ہو۔

اس لیے ''کون سی شریعت'' کا بہانہ بنا کر ہمارے اسکولوں کالجوں میں سمجھ کر قرآن کو پڑھانے سے روکنے والوں کی سازشیں چلیں گی۔

''کون سی شریعت'' کے نام پر نیم برہنہ اور فحش فیشن شوز کا دھندہ کرنے والوں کو بھی اسلام کے ہر مکتبہ فکر کی طرف سے بھی مخالفت کا سامنا ہوگا۔ پاکستان کا آئین قرآن اور سنت کے مطابق ماحول کی فراہمی کو یقینی بنانے کی بات کرتا ہے تاکہ یہاں رہنے والے مسلمان اپنی زندگیوں کو اسلامی اصولوں کے مطابق گزار سکیں۔

بحیثیت مسلمان میرے لیے اللہ کے آئین (قرآن) اور اسکے نفاذ کی صورت (حضرت محمد ﷺ کی زندگی) کے سامنے کسی دوسرے آئین کی کوئی حیثیت نہیں۔ پاکستان کے آئین سے میری محبت کی وجہ ہی یہ ہے کہ یہ ہم مسلمانوں کے اصل آئین کے نفاذ کا وعدہ کرتا ہے۔

سازشیں کرنے والے سازشیں کرتے رہیں۔ شرارتیں کرنے والے شرارتیں کرتے رہیں ہم انشاء اللہ شریعت کا نفاذ کر کے دم لیں گے۔

نعت

نہیں ہے ختمِ رُسل کا زماں ، مکاں میں مثیل
وجود ان کا ہے دونوں جہاں کی غرض و دلیل

جہاں میں اسمِ محمدﷺ کا فیض ہے سب پر
شعور و عقل و خِرد میں ہے ذات اُن کی دخیل

ملا ہے حُسنِ محمدﷺ سے دلبروں کو عروج
ہیں عکسِ روئے منور سے سب حسین و جمیل

ملی ہیں دونوں جہانوں میں عظمتیں اُس کو
کہ پائے خاک میں اُن کے ہوا جو جا کے قتیل

ہمیشہ فاش ہوئے اُن سے راز وہ سب پر
کو روح جن کے نہ ہونے سے ہوگئی تھی علیل

شعور اُن سے بشر کو ہے رفعتوں کا ملا
وگرنہ ہو ہی گیا تھا یہ ظلمتوں میں نزیل

دیا ہے حُسن و لطافت کو چاہتوں کا شعور
بنا کے قدرتِ حق نے وجود اُن کا جمیل

نہیں حبیبؔ سواء اُن کے چارہ گر کوئی
وہی تو روزِ قیامت سبھی کے ہونگے وکیل

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

خواتین کے صفحات

خادمۃ القرآن

ون لاکھ درہم، پھر بھی زکوٰۃ واجب نہیں

ایک مرتبہ سیدہ اسماء بنت ابوبکرؓ کھجوروں کی گٹھلیاں سر پر اٹھائے ہوئے مدینہ طیبہ کے اطراف سے شہر کی طرف جا رہی تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ اونٹنی پر سوار وہاں سے گزر رہے تھے اور ان کی سالی بھی تھیں اور پھوپھی زاد بھائی زبیر بن عوامؓ کی بیوی بھی۔ آپ ﷺ نے ساربان سے کہا: ''رک جاؤ، رک جاؤ۔ اسما کو سوار کرلیں''۔ آپ ﷺ نے اسماء کو اونٹنی پر سوار ہونے کی دعوت دی۔ وہ فرماتی ہیں: ''میں نے اپنے خاوند زبیر کی غیرت کو یاد کیا اور اونٹنی پر سوار ہونے سے معذرت کردی''۔
[بخاری: ۵۲۲۵، مسلم، ۲۱۸۲]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیدہ اسماءؓ نے اونٹنی پر بیٹھنے انکار کیوں کیا؟ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سواری پر بیٹھنے سے انکار؟ وہ مقدس اور پاکباز ہستی، طاہر، مطہر، معصوم نبی ﷺ۔ کیا خاوند ناراض ہوتا؟ ہرگز نہیں! یہ کیسے ممکن ہے؟ مگر دراصل یہ سیدہ اسماءؓ کی غایت درجہ کی خاوند کی فرمانبرداری اور اس کے جذبات کا احترام تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بھی سواری پر بیٹھنے سے معذرت کردی۔

کچھ عرصے کے بعد ان کے والد محترم ابوبکر صدیقؓ نے ان گھوڑا اور نگہداشت کے لیے خادم عطا کیا۔

سیدہ اسماءؓ نے اپنے خاوند کے ساتھ مشکل حالات پر صبر کیا، تنگی اور ترشی میں گزارا کیا اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وافر مقدار میں رزق عطا فرمایا اور جب حضرت زبیرؓ نے وفات پائی تو آپ جانتے ہیں حضرت اسماءؓ کو ترکہ میں کیا ملا؟

وہ عورت جو کھجوروں کی گٹھلیاں اکٹھی کر کے لایا کرتی تھیں، اسے باون لاکھ درہم ترکہ میں ملے۔ اور یہ حضرت زبیرؓ نے حرام کی کمائی سے یا لوگوں کا مال چھین کر جمع نہیں کیے اور نہ ہی لوگوں کو قربت رسول

اور حواری رسول ہونے کا وسیلہ دے کر اکھٹے ہوئے بلکہ انہوں نے تجارت کی اور حلال ذرائع سے مال اکٹھا کیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماءؓ کے خاوند کے پاس ایک ہزار کارندے تھے جوان کے لیے کام کرتے اور اس کا حصہ ان کو دیتے تھے۔ اتنا رزق، اتنی جائیداد اور مال ودولت کے باوجود ان پر کبھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی کیونکہ انہوں نے کبھی مال ودولت ذخیرہ نہیں کیا نہ اس کے انبار لگائے۔

حضرت اسماءؓ کے پاس جب کچھ نہ تھا، فقر وفاقہ تھا وہ اس حال میں بھی گھبرائی نہیں اور واویلا نہیں کیا اور مال ودولت آئی تو فخر وغرور کا اظہار نہیں کیا اور ساری زندگی خیر کے کاموں میں، لوگوں پر احسان کرنے میں اور نیکی کرنے میں گزار دی۔ [اسد الغابہ، جلد۲، صفحہ۳۰۹]

شادی کے بعد معلوم ہوا کہ ہوا لنگڑی ہے

امام شعبیؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا، میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے، شادی کے بعد معلوم ہوا کہ وہ لنگڑی ہے۔

کیا اس کو اس کے والدین کے گھر واپس بھجوادوں؟ امام شعبیؒ فرمانے لگے، اگر تمہیں بیوی کے ساتھ دوڑ لگانی ہے، پھر تو تمہیں ضرور اسے چھوڑ دینا چاہیے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ....!! [سنہری کرنیں، صفحہ۵۴]

نہایت ذہین بیوی

ایک شخص اپنی بیوی سے بڑا تنگ تھا اور اسے ہر حالت میں طلاق دینا چاہتا تھا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی سیڑھیاں چڑھ رہی ہے۔ اس نے بیوی کو مخاطب کیا اور کہنے لگا سنو! اگر تو اوپر چڑھی تو تجھے طلاق، نیچے اتری تو طلاق اور اپنی جگہ پر کھڑی رہی تو پھر بھی طلاق۔

اس عورت نے اپنے خاوند کی طرف دیکھا، لمحہ بھر کے لیے رکی، ذرا سوچا اور پھر اس کے خاوند نے دیکھا کہ اس نے سیڑھی سے چھلانگ لگادی۔

خاوند کی حسرتوں پر پانی پھر گیا، اپنی بیوی سے مخاطب ہوا، میرے ماں باپ تجھ پر قربان! تو کتنی بڑی

فقیہ ہے۔ امام مالکؒ وفات پاجائیں تو ممکن ہے اہل مدینہ فتویٰ کے لیے تیرے ہی پاس آئیں۔

[سنہری کرنیں، صفحہ ۵۵]

ایک آدمی کا عجیب صدقہ

صحیحین کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے قصد کیا کہ آج رات میں صدقہ کروں گا، لے کر نکلا اور چپکے سے ایک عورت کو دے کر چلا آیا۔ صبح لوگوں میں یہ باتیں ہونے لگیں کہ آج رات کو کوئی شخص ایک بدکار کو خیرات دے گیا۔ اس نے بھی سنا اور خدا تعالیٰ شکر ادا کیا۔

پھر اپنے جی میں کہا کہ آج رات پھر صدقہ کروں گا۔ لے کر چلا اور ایک شخص کی مٹھی میں رکھ کر چلا آیا صبح سنتا ہے کہ لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ آج رات ایک مالدار کو کوئی صدقہ دے گیا۔ اس پھر خدا تعالیٰ کی حمد کی اور ارادہ کیا کہ آج رات کو تیسرا صدقہ دوں گا، دے آیا، دن کو معلوم ہوا کہ وہ چور تھا۔ تو کہنے لگا، خدایا! تیری تعریف ہے، زانیہ عورت کو دیئے جانے پر بھی، مالدار شخص کو دیئے جانے پر بھی اور چور کو دیئے جانے پر بھی۔ خواب میں دیکھتا ہے کہ فرشتہ آیا اور کہہ رہا ہے تیرے تینوں صدقے قبول ہو گئے۔ شاید بدکار عورت مال پا کر اپنی حرام کاری سے رک جائے ، اور شاید مالدار کو عبرت حاصل ہو اور وہ بھی صدقے کی عادت ڈال لے اور شاید چور مال پا کر چوری سے باز رہے۔ [تفسیر ابن کثیر، جلد ا، صفحہ ۳۶۸]

اقوال زریں

☆ سخاوت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا حق ادا ہوتا ہے۔

☆ مرشد وہ ہے جو سنت نبوی ﷺ کو زندہ کرے کیونکہ شریعت کی پابندی کے بغیر حق کی جستجو محال ہے۔

☆ جو لوگ راگ سنتے ہیں ان کے دل مردہ اور نفس زندہ ہوتا ہے۔

☆ جب تک تم حرص و ہوس کو نہ چھوڑو گے اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکو گے۔

☆ فقیر باوجود استغراق کے شریعت مطہرہ کے کسی فرض یا سنت کو قضا نہیں کرتا۔

☆ جو مرشد مذہبی مراتب دنیوی حاصل کرتا ہے اور نہ ہی مقامات معرفت طے کرتا ہے وہ دونوں جہانوں کی رسوائی اور ذلت اپنے سر لے لیتا ہے۔



بچوں کے صفحات

جنگ احزاب کا واقعہ:

عزیز دوستو! ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لاتے ہوئے تقریباً ساڑھے پانچ سال گزر چکے تھے۔ اس دوران کفارِ قریش آپؐ سے دو جنگیں (بدر اور احد) لڑ چکے تھے اور ہر دفعہ نقصان اٹھانے کی وجہ سے مارے غصے کے باؤلے ہو رہے تھے کہ آپؐ اتنی چھوٹی جماعتوں اور کم تعداد والے لشکروں سے ان کے بڑے بڑے لشکروں کو ذلیل وخوار کر کے رکھ دیا تھا۔ انہوں نے انتقام لینے کے لیے اب یہ پروگرام بنایا کہ دوسرے قبائل کے لوگوں کو بھی اپنے لشکر میں جمع کر کے اس کی تعداد بڑھائی جائے۔ چنانچہ انہوں نے آس پاس کے بہت سے قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا اور مدینہ میں بسنے والے یہودیوں سے بھی یہ طے کر لیا کہ جب جنگ زور پر ہو تو وہ اندر سے بغاوت کر کے مسلمانوں کو کچل دیں۔ کفار کے اس لشکر کی تعداد دس ہزار سے لیکر چوبیس ہزار تک بیان کی جاتی ہے۔ جب سب تیاریاں مکمل ہوگئیں تو شوال ۵ھ میں یہ لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ حضور نبی کریم ﷺ کو اس سے بہت پہلے یہ خبریں مل چکی تھیں اور آپؐ نے شہر کے دفاع لیے صحابہؓ کرام سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! ایران میں ایسے موقعوں پر شہر کے گرد خندق کھود دی جاتی ہے تا کہ دشمن شہر کے اندر داخل نہ ہو سکے''۔

آپ نے اس تجویز کو پسند فرمایا۔ عرب میں اس سے پہلے خندق کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مدینہ کے ایک طرف سے دشمنوں کے حملے کا زیادہ امکان تھا چنانچہ وہاں خندق کھودنے کے لیے دس دس آدمیوں کی ہر ٹکڑی کے ذمے بیس بیس گز خندق کی کھدائی لگا دی گئی جو ساڑھے دس فٹ گہری، ساڑھے تیرہ فٹ چوڑی اور تقریباً ایک میل اور سات سو چالیس گز لمبی ہوگی۔ یہ سخت سردی کے دن کے تھے۔ غذائی قلت تھی اور مسلمان فاقوں کی وجہ سے کمزوری محسوس کرنے لگے تھے۔ خود آپؐ کے شکم مبارک پر تین پتھر بندھے ہوئے تھے۔ حضرت انسؓ اگر چہ عمر میں چھوٹے تھے مگر انہوں نے جب اپنے آقا کے پیٹ پر پتھر بندھے دیکھے تو گھر جا کر اپنے والد کو اس کی اطلاع دی جنہوں نے محنت مزدوری کر کے تھوڑے جو

حاصل کیئے اور بیٹے سے کہا: ''بیٹا جاؤ اب رسول اللہ ﷺ کو اکیلے میں کھانے کی دعوت دے کر اپنے ساتھ ہی گھر لے آؤ اور اگر ایک دو آدمی اور آپ کے ساتھ آ جائیں تو بھی کام چل جائیگا''۔

حضرت انسؓ کے والد نے مزید تاکید کرتے ہوئے کہا:۔

''دیکھو بیٹا تم ابھی چھوٹے ہو اس لیے خوب اچھی طرح سے سمجھ لو کہ ہمارے پاس کھانا تھوڑا ہے اس لیے لوگوں کے سامنے جناب رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہ کہنا۔ اور جب آپ مجلس سے اٹھ کر گھر جانے کا ارادہ فرمائیں تو اس وقت عرض کرنا کہ ہمارے ہاں تشریف لائیں''۔ حضرت انسؓ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ آپ صحابہؓ کی کثیر تعداد کے درمیان تشریف فرما ہیں۔ لیکن آپ نے انسؓ کو دیکھتے ہی فرمایا:

''تجھے ابو طلحہؓ (حضرت انسؓ کے سوتیلے باپ) نے بھیجا ہے؟

حضرت انسؓ نے عرض کیا: جی ہاں! ''یارسول اللہ ﷺ''

آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''لوگو! چلو ابو طلحہؓ کے گھر چلو'' اس پر سب لوگ آپؐ کے ساتھ ابو طلحہؓ کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت انسؓ بڑی تیزی سے گھر پہنچے اور اپنے والد کو اس کی اطلاع دی۔ انہوں نے اپنی بیوی حضرت ام سلیمؓ کی طرف دیکھا، جنہوں نے کہا:

''اس میں گھبرانے کی کون سی بات ہے؟ اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں''۔

اتنے میں آپ اپنے اسی (۸۰) اصحاب کے ساتھ تشریف لے آئے اور ابو طلحہؓ نے آگے بڑھ کر آہستہ سے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ گھر میں صرف ایک روٹی موجود ہے''۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنی گھی والی کپی لے آؤ''۔

ابو طلحہؓ نے گھی کی کپی لا کر پیش کر دی۔ اس عرصے میں صحابہ کرامؓ مکان کے سامنے مناسب جگہ پر بیٹھ چکے تھے۔ حضور ﷺ نے جب گھی کی کپی کو الٹایا تو اس میں صرف چند قطرے گھی کے نکلے۔ جنہیں آپؐ نے اپنی مبارک انگلی سے روٹی پر لگا دیا۔ جس سے روٹی پھولنے لگی حتیٰ کہ برتن سے اونچی ہو گئی اور آپؐ نے اس روٹی کو دستر خوان پر رکھ کر دعا فرمائی:

''بسم الله اللهم اعظم فيها البركة''

اس کے بعد صحابہؓ کو دس دس کی جماعت میں آئے اور کھانے کی دعوت دی۔ چنانچہ دس دس آدمی اندر آتے۔ کپڑے کے اندر سے روٹی کے ٹکڑے توڑ توڑ کر نکالتے اور کھاتے اور جب پیٹ بھر جاتا تو اٹھ کر چلے جاتے۔ اس طرح یہ ۸۰ آدمی پیٹ بھر کے چلے گئے اور روٹی بدستور اتنی ہی رہی۔ یہ آپؐ کی برکت اور آپؐ کا معجزہ تھا۔